ماہنامہ **محدث** بنارس

سرپرست
عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر
مولانا عبدالوہاب حجازی

معاون مدیر
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی — **مولانا عبدالمتین مدنی**

عدد مسلسل: ۳۲۰
جلد: ۲۸ ، شمارہ: ۸

شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ

اگست ۲۰۱۰ء

اس شمارہ میں

۱-درس قرآن	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲
۲-درس حدیث	مولانا عبدالسلام مدنیؔ	۳
۳-افتتاحیہ	مدیر	۴
۴-اسلامی عبادات کی اجتماعی حیثیت	مولانا عبدالغفار حسن سباعی	۶
۵-خلیفۂ اول صدیق اکبرؓ...	مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی	۱۱
۶-دارالحدیث رحمانیہ دہلی......	مولانا اسعد اعظمی	۱۶
۷-بلوغ المرام اور اس کا منہج تدریس	مولانا عبدالمتین مدنی	۲۱
۸-روزہ کے آداب واحکام	مولانا عبدالرحیم ریاضی	۲۵
۹-حیض ونفاس کے احکام ومسائل	عبدالولی عبدالقوی	۲۹
۱۰-کیا برکت شادی ہے......!	عبدالسمیع محمد ہارون سلفی	۳۴
۱۱-وہابی تحریک کی سرگرمیاں	صدیق احمد نفیس احمد	۳۶
۱۲-تفاسیر میں اسرائیلی روایات اور...	سعید الرحمٰن عبدالمجید	۴۰
۱۳-عالم اسلام	ظل الرحمٰن سلفی	۴۳
۱۴-اخبار جامعہ	ادارہ	۴۴
۱۵-باب الفتاوی	مولانا نورالہدی سلفی	۴۶

بدل اشتراک

- ہندوستان: **150** روپئے
- بیرون ممالک: **40** ڈالر
- فی شمارہ: **15** روپئے

مراسلت کا پتہ

دار التالیف والترجمہ
بی ۱۸/۱جی، ریوڑی تالاب
وارانسی - ۲۲۱۰۱۰

DarutTaleefWatTarjama
B.18/1-G, Reori Talab,
Varanasi - 221010

نوٹ : ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

اے مسلمانو! تم پر روزہ فرض ہے

عبداللہ سعود بن عبدالوحید

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ، أَيَّاماً مَّعْدُودَاتٍ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيْضاً أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ فَمَن تَطَوَّعَ خَيْراً فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ وَأَن تَصُومُواْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ، شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىَ أُنزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَن كَانَ مَرِيْضاً أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيْدُ اللّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلاَ يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُواْ الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُواْ اللّهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ (سورہ بقرہ:۱۸۳-۱۸۵)

اے ایمان والو! تم پر روزے رکھنا فرض کیا گیا، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم تقوی اختیار کرو، گنتی کے چند دن ہیں لیکن تم میں سے جو بیمار ہو یا سفر میں ہو وہ اور دنوں میں گنتی پورا کرلے اور اس کی طاقت رکھنے والے فدیہ میں ایک مسکین کو کھانا دیں، پس جو شخص نیکی میں آگے بڑھنا چاہے وہ اس کے لیے بہتر ہے۔ (ہاں) اگر تم روزہ رکھو تو (روزہ رکھنا) تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو تو۔

رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور ہدایت کو واضح کرنے والا اور حق و باطل کے درمیان فرق بتانے والا ہے پس تم میں سے جو شخص اس مہینہ کو پائے، اس میں روزہ رکھے۔ (ہاں) جو بیمار ہو یا سفر میں ہوا سے دوسرے دنوں میں یہ گنتی پوری کرلینی چاہئے، اللہ تعالی تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے، وہ تمہارے ساتھ سختی نہیں چاہتا۔ (وہ چاہتا ہے) کہ تم گنتی پوری کرو اور اس کے بتائے ہوئے طریقہ پر اللہ کی بڑائی بیان کرو اور تاکہ تم شکر گزار بنو۔

اللہ تعالی نے امت محمدیہ پر رمضان کے پورے مہینہ میں روزہ رکھنا فرض قرار دیا اور فرمایا کہ جو بیمار یا مسافر ہو اور روزہ نہ رکھ سکے وہ اس گنتی کو دوسرے دنوں میں پوری کرے۔ یعنی رمضان کے ۲۹ یا ۳۰ دن روزہ رکھنا فرض ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم ہے، اس میں ایک رمضان کا روزہ ہے۔ (صحیح بخاری:۸، صحیح مسلم:۱۶)

اللہ تعالی نے یہ بھی فرمایا کہ وہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا، اور یہ کہ یہ روزہ صرف امت محمدیہ ہی پر فرض نہیں ہے، بلکہ اس سے پہلے امت پر بھی فرض تھا، امت محمدیہ پر صرف رمضان کے روزے فرض ہیں جبکہ اس سے پہلے لوگوں پر اس سے زائد بھی تھے، مثلا صوم داودی کہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن ناغہ کرتے تھے۔

مختلف صحابہ کرام سے مروی ہے کہ شروع میں ہر مہینہ میں تین دن روزہ رکھنا رہتا تھا جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے رائج تھا، یہاں تک کہ رمضان کی فرضیت کے بعد منسوخ ہو گیا (تفسیر ابن کثیر) اور محرم میں عاشوراء کا روزہ بھی فرض تھا جو رمضان کی فرضیت کے بعد ختم کر دیا گیا جو چاہے رہے جو چاہے نہ رہے۔

روزہ کا جہاں بہت ثواب ہے اور جنت میں ایک خاص دروازہ کا نام باب الریان ہے جس سے صرف روزہ دار ہی داخل ہوں گے۔ (صحیح بخاری:۱۷۹۷) وہیں اس کے بہت سے فوائد بھی ہیں، اس سے روح کو غذا ملتی ہے، نامۂ اعمال کی پاکی ہوتی ہے، برے اخلاق سے انسان بچتا ہے اور اس کے جسم سے برے اخلاط کی صفائی ہوتی ہے بشرطیکہ انسان فضول چیزوں کو نہ کھائے جیسا کہ رمضان میں طرح طرح کی افطاری سے اس کے فوائد سے محروم رہ جاتا ہے۔

☆☆☆

درس حدیث:۱۳۶

مستحق اعزہ پرصدقہ کرنے کا دوہرا ثواب

تحریر: مولانا عبدالسلام مدنی / استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

عن زینب امرأة عبد الله بن مسعود، قالت: قال رسول الله ﷺ: تصدقن یا معشر النساء ! ولو من حلیکن. قالت: فرجعت إلی عبد الله فقلت: إنك رجل خفیف ذات الید، وإن رسول الله ﷺ قد أمرنا بالصدقة، فآته فاسئله، فإن کان ذلك یجزیء عني وإلا صرفتها إلی غیرکم. قالت: فقال لي عبد الله: بل ائتیه أنت.

قالت: فانطلقت فإذا امرأة من الأنصار بباب رسول الله ﷺ، حاجتي حاجتها، ...... فقالت: فخرج علینا بلال فقلنا له: إئت رسول الله ﷺ فأخبره أن امرأتین بالباب تسألانك: أتجزیء الصدقة عنهما علی أزواجهما وعلی أیتام في حجورهما ؟ ....، فقال رسول الله ﷺ: لهما أجران: أجر القرابة، وأجر الصدقة. متفق علیه، واللفظ لمسلم. (مشکاة ج ۱، ص ۱۷۱) قال في المرعاة: أخرجاه في الزکاة، وأخرجه أیضا أحمد والنسائي. (مرعاة ج ٦، ص ۳۷۲)

ترجمہ: حضرت زینب زوجۂ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے عورتوں کی جماعت تم صدقہ کرو اگرچہ اپنے زیورات سے۔ زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ (اپنے شوہر) کے پاس آئی اور ان سے کہا: آپ کم مال والے ہیں اور ہمیں رسول اللہ ﷺ نے صدقہ کرنے کا حکم دیا ہے اس لیے آپ رسول اللہ ﷺ کے پاس جاکر یہ مسئلہ دریافت کر لیجئے کہ (اگر میں آپ اور اپنے زیر پرورش یتیموں پر صدقہ کروں تو کیا یہ میری جانب سے کفایت کرے گا۔ کذا في روایة) اگر یہ کفایت کرے (تو آپ لوگوں پر صدقہ کروں) ورنہ دوسروں کو دے دوں۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم ہی رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ، میں وہاں گئی تو آپ کے دروازے پر ایک انصاریہ عورت کو پایا، اس کی بھی حاجت میری ہی حاجت تھی۔ زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر ہیبت اور عظمت ڈال دی گئی تھی (اس لیے کوئی توقیر وعزت کرتے ہوئے آپ کے گھر میں داخل نہیں ہوتا تھا) حضرت بلال رضی اللہ عنہ اندر سے ہم لوگوں کے پاس آئے تو ان سے ہم نے کہا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے پاس تشریف لے جائیے اور بتلائیے کہ آپ کے دروازے پر دو عورتیں ہیں اور یہ مسئلہ دریافت کرتی ہیں کہ اگر ہم اپنے شوہروں اور زیر پرورش یتیموں پر صدقہ کریں تو کیا ہماری جانب سے کفایت کرے گا؟ اور آپ ﷺ کو یہ اطلاع نہ کیجئے گا کہ ہم کون ہیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ کے پاس گئے اور مسئلہ دریافت کیا۔

آپ ﷺ نے پوچھا وہ دونوں عورتیں کون ہیں؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ایک انصاریہ عورت ہیں اور ایک زینب۔ آپ نے استفسار کیا: کون سی زینب؟ جواب دیا: عبداللہ بن مسعود کی بیوی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دونوں کو دوہرا اجر وثواب ملے گا: ایک قرابت داری کا (یعنی صلہ رحمی کرنے کا) اور ایک صدقہ کرنے کا۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: حدیث پاک سے ثابت ہوتا ہے کہ مستحق اعزہ واقرباء کو صدقات وخیرات دینے پر دوگنا اجر وثواب ملتا ہے، ایک اقرباء نوازی اور صلہ رحمی کا اور دوسرا صدقہ دینے کا۔ حدیث میں لفظ "الصدقة" اور "یجزئ عني" سے امام بخاری رحمہ اللہ وغیرہ نے زکاۃ مراد لیا ہے۔ اور یہی راجح ہے۔

رب العالمین! ہم سب کو صلہ رحمی اور اقرباء نوازی کی جتنی مشروع صورتیں ہیں سب کو اپنانے کی توفیق عنایت فرما، آمین۔

☆☆☆

افتتاحیہ

قبر میں سوال سے بچ جانے والے لوگ

کوئی انسان جب مرجاتا ہے تو اس کا ''یوم آخر'' یعنی آخرت کا دن شروع ہوجاتا ہے، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ جو انسان مرگیا اس کی قیامت قائم ہوگئی، یعنی موت کے بعد جو کچھ ہونے والا ہے وہ سب ''یوم آخر'' کا حصہ ہے، اسے ''یوم آخر'' اسی لیے کہا جاتا ہے کہ یہ ایسا دن ہے کہ جس کے بعد کوئی دن نہیں ہے، یوم آخر پر ایمان فرض ہے اور یہ موت کے بعد جو کچھ ہونے والا ہے جس کی خبر ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ نے دی ہے سب کو شامل ہے، اس کا منکر دائرۂ اسلام سے باہر ہوجاتا ہے۔

موت کے بعد سب سے پہلا مرحلہ قبر کے سوال کا ہے جو کسی بندہ کے لیے نہایت درجہ کڑا امتحان ہے، صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "ما بين خلق آدم إلى قيام الساعة أمر أكبر من الدجال" (مسلم:۲۹۴۶) آدم کے پیدا کئے جانے سے لیکر قیامت تک دجال کے فتنہ سے بڑا کوئی فتنہ نہیں، اور قبر میں سوال کی آزمائش کو اس فتنہ جیسا یا اس سے قریب ہمارے نبی نے قرار دیا ہے، ارشاد فرمایا: "انه قد أوحى الى أنكم تفتنون في قبوركم مثل (أو: قريبا من) فتنة الدجال" (بخاری:۱۸۴، مسلم:۹۰۵) یعنی مجھ کو وحی کی گئی ہے کہ تم لوگوں سے تمہاری قبروں میں سوال کیا جائے جو دجال کے فتنہ کے مثل یا اس سے قریب ہوگا، یہ ایسا سوال ہوگا کہ مضبوط عقیدہ اور صالح عمل کی بنیاد پر ہی اس کا جواب بن پائے گا، علامہ محمد بن عثیمین رحمہ اللہ نے اس تعلق سے لکھا ہے کہ پانچ قسم کے لوگ ہیں جو اس کڑے امتحان سے بچا لئے جائیں گے۔

(۱) انبیاء: قبر کی آزمائش ان کو شامل نہیں، ان سے سوال نہیں کیا جائے گا، اس کی دو وجہ ہے، ایک تو یہ ہے کہ انبیاء شہیدوں سے افضل ہیں اور نبی ﷺ نے خبر دی ہے کہ شہید قبر کی آزمائش سے بچا لیا جائے گا، آپ ﷺ نے فرمایا: "كفى ببارقة السيوف على رأسه فتنة" (نسائی:۴/۹۹) اس کے سر پر تلواروں کی چمک اسے سوال کے امتحان سے بچانے کے لیے کافی ہے۔ دوسرے یہ کہ نبیوں کے متعلق میت سے سوال ہوتا ہے: "من نبيك" تمہارا نبی کون ہے؟ لہذا خود ان سے سوال نہیں کیا جائے گا، بخاری کی حدیث جو اوپر گذری کہ "انكم تفتنون" تم لوگوں سے سوال کیا جائے گا، یہ خطاب آپ ﷺ کی امت سے ہے، لہذا رسول خود اس میں داخل نہیں ہوں گے۔

(۲) صدیقین: ان سے سوال نہیں کیا جائے اس لیے کہ صدیقین کا درجہ شہیدوں سے بلند ہے، لہذا جب شہید سوال سے الگ ہیں تو صدیق بدرجۂ اولی اس سے مستثنی رہیں گے، اور اس لیے بھی کہ صدیق اپنے وصف کے مطابق مصدِّق اور صادق ہوتا ہے، اس کا صدق جان لیا گیا ہے، لہذا اس سے سوال اور اس کے امتحان کی حاجت نہیں ہے، امتحان اس کا ہوتا ہے

جس کے بارے میں شک ہو کہ صادق ہے یا کاذب اور صادق ہونا جب معلوم ہے تو اس سے سوال کی حاجت نہیں، لیکن بعض علماء کی رائے ہے کہ عام دلائل کے تحت ان سے بھی سوال ہوگا، واللہ اعلم۔

(۳) شہید جو اللہ کی راہ میں قتل ہوئے: ان سے سوال نہیں ہوگا، اس لیے کہ جہاد میں ان کے ایمان کی سچائی ظاہر ہوچکی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿إن الله اشترى من المؤمنين أنفسهم وأموالهم بأن لهم الجنة، يقاتلون في سبيل الله، فيقتلون ويقتلون﴾ (التوبۃ:۱۱۱) یقیناً اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس بات کے بدلے میں خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی، وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں جس میں قتل کرتے اور قتل کئے جاتے ہیں۔

نیز "بارقة السيوف" والی روایت اوپر گذر چکی ہے، اس کے علاوہ مرابط یعنی سرحد پر دشمن سے مقابلہ کے لیے جمے رہنے والا مومن جب مرجاتا ہے تو سوال سے بچ جاتا ہے، اس لیے کہ اس کی سچائی ظاہر ہوجاتی ہے، لہذا شہید جو جنگ میں قتل کردیا گیا ہے، اس کے مثل یا اس سے اولیٰ ہے، اس لیے کہ اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے دشمن کے سامنے اس نے اپنی گردن پیش کردی ہے، اور یہ اس کے ایمان کی سچائی کے لیے بڑی دلیل ہے۔

(۴) مرابط: ان سے سوال نہیں ہوگا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "رباط يوم وليلة خير من صيام شهر وقيامه، وان مات جرى عليه عمله الذي كان يعمله وأجرى عليه رزقه، وأمن الفتان" (مسلم:۱۹۱۳) سرحد پر ایک دن رات کی مستعدی ایک مہینہ روزہ مع تہجد سے بہتر ہے، اور اسی حالت میں مرگیا تو وہ کام اس کے لیے برابر جاری رہے گا، جو وہ کرتا تھا اور اس پر اس کی روزی جاری کردی جائے گی اور قبر کے سوال سے بچ جائے گا۔

(۵) چھوٹے بچے اور دیوانے: ان سے سوال ہوگا یا نہیں ہوگا، بعض علماء کہتے ہیں ان سے سوال ہوگا، اس لیے کہ عموم میں یہ بھی داخل ہیں اور اس لیے بھی کہ زندگی میں وہ مکلّف نہیں تھے، لیکن موت کی حالت زندگی سے مختلف ہے، اور بعض علماء کہتے ہیں کہ ان سے سوال نہیں ہوگا، اس لیے کہ وہ مکلّف نہیں ہیں، لہذا ان کا حساب بھی نہیں ہے، حساب اور گناہ پر سزا مکلّف کو ہوتی ہے، اور ان کو سزا نہیں ہوگی، ان کو ثواب ہی ملے گا، اگر عمل صالح کریں گے، ان پر ثواب دیئے جائیں گے۔

رمضان المبارک میں مرنے والے مسلمان سے قبر میں سوال نہیں ہوگا، اس سے متعلق وارد حدیث ضعیف ہے، البتہ جمعہ اور جمعہ کی رات کو مرنے والے مسلمان سے سوال نہیں ہوگا، اس کے متعلق وارد حدیث کو علامہ البانیؒ نے شواہد کی بنیاد پر "حسن أو صحيح" کہا ہے۔

☆☆☆

اسلامی عبادات کی اجتماعی حیثیت

تحریر:الاستاد مصطفٰے سباعی ترجمہ:مولانا عبدالغفار حسن صاحب

انسان اپنی اجتماعی زندگی میں ایک دوسرے کے محتاج ہیں دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ افراد پورے معاشرے کے مقروض ہیں۔

اگر والدین پوری جانفشانی سے اولاد کی پرورش نہ کرتے اساتذہ شاگردوں کی تعلیم وتربیت میں اپنا خون پسینہ ایک نہ کرتے ،سوداگر منڈیوں میں مال لے کر نہ آتے اور مختلف پیشہ وراور صنعت وحرفت کے ماہرین اپنے اپنے کمالات سے ملک کو ترقی نہ دیتے تو کیا اس بات کا امکان نہیں کہ ہم سب امن وسکون اور خوش حالی وفارغ البالی کی زندگی نہ گزار سکتے۔

ایک لباس ہی کا معاملہ سامنے رکھ لیا جائے اس کی تیاری میں بہت سے ہاتھوں نے حصہ لیا ہے اور مختلف مدارج طے کرتا ہوا ہم تک پہنچا ہے، یوں سمجھنا چاہئے کہ ایک لباس ہی کی بنا پر ہم ہزاروں انسانوں کی کوششوں کے رہین منت ہیں،اسی پر کھانے پینے ،رہنے سہنے اور دوسری ضروریات قیاس کی جاسکتی ہیں۔

کسی ملک کے افراد کی سب سے بڑی خوبی اور دانائی یہ ہے کہ وہ اجتماعی زندگی کے حقوق کو نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دیں!اگر یہ شعور پوری طرح پیدا ہو جائے تو پھر معاشرہ ایک بنیان مرصوص (سیسہ پلائی ہوئی دیوار) کی شکل اختیار کر سکتا ہے،یہی وہ پیمانہ ہے جس سے دنیا کی تہذیبوں ،تمدنوں اور مذاہب وادیان کو ناپا جاسکتا ہے۔

دین حق وہی ہوسکتا ہے جو اجتماعی حقوق کے بارے میں ذہنوں میں صحیح شعور پیدا کر سکے اور پائیدار تمدن وہی ہے جو انسانوں میں جماعتی احساس کو بیدار کر سکے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس پہلو سے تمام مذاہب وادیان کے مقابلہ میں اسلام کو امتیازی مقام حاصل ہے۔

اسلام کی خصوصیت:

اسلام نے عزلت اور گوشہ نشینی کے بجائے باہمی میل جول اور ربط وتعلق پر زیادہ زور دیا ہے اس سلسلہ میں اس نے عبادات ،اخلاقی ہدایات اور قانونی پابندیوں کے ذریعہ فرد اور جماعت کے رابطہ کو مستحکم کیا ہے!

مسلمان کا بنیادی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اکیلا معبود ہے۔سارا جہان اس کی مخلوق ہے اس عبودیت وبندگی کے رشتے کی بنا پر انسان کا رابطہ کائنات کی ہر چیز سے جڑا ہوا ہے۔

عالم انسانیت ہو یا عالم حیوانیت سب خدا کی طرف محتاج ہونے میں برابر کے شریک ہیں جس طرح عالم انسانیت گروہوں اور امتوں کی شکل میں پایا جاتا ہے یہی حال حیوانات کا بھی ہے قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے:﴿وما من دابة في

الأرض ولا طائر یطیر بجناحیه إلا امم امثالکم﴾ (سورۃ الانعام) نہیں ہے کوئی زمین میں چلنے والا جانور اور نہ کوئی پرندہ جو اپنے دونوں بازوؤں سے اڑتا ہو، مگر یہ کہ وہ تمہاری جیسی امتیں ہیں۔

اس لئے ہم دیکھتے ہیں مسلمان دن میں تیس سے زیادہ مرتبہ اپنی نمازوں میں ﴿الحمدلله رب العالمین . الرحمن الرحیم﴾ کو دہراتا ہے۔

انسانی شرف کا معیار:

عبودیت اور بندگی کے بعد دوسرا رشتہ اسلام میں باہمی عزت واحترام اور نفع وتعاون کا بتلایا ہے۔ فرمایا: ﴿ولقد کرمنا بنی آدم﴾ (سورۃ الاسراء) ''یعنی ہم نے بنی آدم کو عزت وکرامت بخشی'' یہ عزت وشرف، زبان جنس اور دوسرے امتیازات کی بناء پر نہیں بلکہ صرف اس کی انسانی حیثیت کی بناء پر کیا گیا ہے۔ دوسرے مقام پر ارشاد ہے: ﴿ یا ایها الناس إنا خلقناکم من ذکر و انثیٰ و جعلناکم شعوبا و قبائل لتعارفوا إن اکرمکم عندالله اتقاکم ﴾ (الحجرات) ''یعنی اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں مختلف خاندانوں اور قبیلوں میں تقسیم کردیا ہے، تاکہ آپس میں تعارف ہوسکے۔ بلاشبہ تم میں باعزت وہ ہے جو الٰہی قوانین کا پابند ہے۔''

حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' الخلق کلهم عیال الله فاحسبهم الی الله انفعهم لعیاله'''' تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال (محتاج) ہے تو اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب وہی ہے جو اس کی عیال کو زیادہ نفع پہنچائے''۔

خدا کی مخلوق کو فائدہ پہنچانے کا جذبہ ہی دراصل وہ محرک ہے جس کے ذریعہ سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کتنا قرب اسے حاصل ہے، اسلامی آداب کی بنیاد ہی باہمی ہمدردی اور تعاون پر رکھی گئی ہے۔ اس کو حدیث میں اخلاق سے تعبیر میں کیا گیا ہے۔

اخلاق حسنہ اور اجتماعی تعاون:

ارشاد نبوی ہے: '' بعثت لا تمم مکارم الاخلاق '' (الادب المفرد، مستدرک حاکم، موطا امام مالک) میں دنیا میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ اعلیٰ اخلاق کو پایۂ تکمیل تک پہنچاؤں۔

اسلامی اخلاق کی اسی بنیاد کو ذیل آیت میں واضح کیا گیا ہے: ﴿تعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان﴾ (مائدہ) نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں آپس میں تعاون کرو اور گناہ ظلم وزیادتی کے معاملات میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

عام طور پر روح دین سے جہالت کی بنا پر لوگوں سے سمجھ رکھا ہے کہ برّ وتقویٰ کا دائرہ صرف روزے نماز تک محدود ہے۔ حالانکہ یہ دونوں زندگی کے تمام گوشوں پر حاوی ہیں۔

قرآن حکیم میں اسی ذہنیت کی مذمت میں فرمایا گیا ہے: ﴿ لیس البر ان تولوا وجوهکم قبل المشرق

والمغرب ولکن البر من اٰمن باللہ والیوم الآخر والملائکة والکتاب والنبین واٰتی المال علی حبه ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل و السائلین وفی الرقاب واقام الصلوة واٰتی الزکوٰة والموفون بعهدهم إذا عاهدوا والصابرین فی الباساء والضراء وحین الباس اولئك الذین صدقوا واولئك هم المتقون﴾(البقرۃ:۱۷۷)

نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اپنے چہرے مشرق ومغرب کی طرف پھیر دو۔ بلکہ سراپا نیکی وہ ہے جو اللہ، آخرت، فرشتوں، کتابوں اورنبیوں پر ایمان لائے اور مال تجارت سے محبت کے باوجود اسے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سائلوں کی مدد اور گردنوں کے آزاد کرانے میں صرف کرڈالے، نماز کو قائم کرے اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا اہتمام کرے اور نیک وہ لوگ ہیں جب عہد کرتے ہیں تو اسے پورا کرتے ہیں۔ اور تنگی ترشی، مصیبت اور جنگ کے وقت صبر واستقامت سے کام لیتے ہیں (حقیقت میں) یہی لوگ راست باز ہیں، اور یہی لوگ تقویٰ کے دولت سے مالا مال ہیں۔

اس آیت سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ برّ وتقویٰ کا دامن کتنا وسیع ہے۔ نہ صرف ایمانیات اور عبادات بلکہ معاشرے کے دوسرے گرے پڑے افراد کی مدد اوران سے ہمدردی بھی اس میں شامل ہے۔

نماز و اجتماعی جهاد:

نماز کے فوائد اوراس کی حکمت کو دیکھا جائے تو وہاں بھی یہ حقیقت بیّن طور پر نظر آئے گی کہ نماز بندے اوراس کے رب کے درمیان صرف انفرادی معاملہ نہیں ہے بلکہ اس کے ذریعہ انسان کو گوشۂ تنہائی سے نکال کر اجتماعی تعاون کی تربیت دی گئی ہے اوراس طرح ان برائیوں اورخرابیوں کا سدّ باب کیا گیا ہے جن سے معاشرے میں فساد اور بگاڑ رونما ہوتا ہے، فرمایا: ﴿إن الصلوة تنهیٰ عن الفحشاء والمنکر﴾(سورہ عنکبوت:۴۵) بلاشبہ نماز بے حیائی اور بُرے کاموں سے روکتی ہے۔ یہاں نماز کے فائدے کو بیان کیا گیا ہے۔ سورہ معارج میں نماز کے اثرات بیان کئے گئے ہیں فرمایا: ﴿ إن الإنسان خلق هلوعا. إذا مسه الشر جزوعا. و إذا مسه الخیر منوعا. إلا المصلین﴾(معارج) انسان طبعاً جلد باز گھبراہٹ والا پیدا ہوا ہے، جب تکلیف اور تنگی ترشی کا سامنا ہوتا ہے تو گھبرا اٹھتا ہے اور جب فراوانی وخوش حالی سے ہمکنار ہوتا ہے تو بخیل بن جاتا ہے۔ مگران دونوں کمزوریوں سے نمازی لوگ پاک ہوتے ہیں۔ یعنی نماز کی بدولت انسان میں بے صبری اورناشکری کے جذبات ابھرنے کے بجائے صبر وشکر جیسی اعلیٰ صفات ان میں جڑ پکڑ لیتی ہیں۔

اب اگر ایک نمازی اپنے اخلاق واعمال کے لحاظ سے معاشرے کے لئے نفع بخش ثابت نہیں ہوتا تو سمجھ لینا چاہئے اس کی نماز اصلی روحِ عبادت اور شعور ہدایت سے خالی ہے۔ ایسی نماز انسان کو خدا سے قریب لانے کے بجائے اور دور پھینک دیتی ہے، ارشادنبوی ہے:’’ من لم تنه صلواته عن الفحشاء والمنکر لم یزد من الله إلا بعدا ‘‘(طبرانی) یعنی جس شخص کی نماز اسے بے حیائی اور منکرات سے باز نہیں رکھتی وہ اللہ تعالیٰ سے دور ہی دور ہوتا چلا جاتا ہے۔

روزہ اور اجتماعی تعاون:

روزے کی فرضیت میں بھی تربیت وتطہیر کی حکمت نمایاں ہے قرآن حکیم نے اسی حکمت کو''لعلکم تتقون'' کہہ کر واضح کیا ہے، یعنی امید ہے کہ تم تقویٰ اختیار کروگے۔

جب روزے کی یہ حکمت روزے دار کے رگ وپے میں رچ بس جاتی ہے تو پھر سنگ دلی، حرص، طمع، بخل اور باہمی جھگڑے فساد کی بجائے وہ بنی نوعِ انسان کے لئے سراپا رحمت وشفقت بن جاتا ہے اس بنا پر حدیث میں روزے کو ڈھال سے تعبیر کیا گیا ہے، ارشاد نبوی ہے:'' الصوم جنة فإذا كان صوم يوم أحدكم فلا يرفث ولا يصخب وان سابه أحد أو قاتله فليقل إني امرأ صائم''(بخاری ومسلم) یعنی روزہ ڈھال ہے جب تم مین سے کسی کا روزہ ہو تو بے ہودہ گوئی اور شور وشغب سے بچے۔ اگر کوئی اسے گالی دے یا لڑائی پر آمادہ ہو تو اس سے کہہ دے کہ میں تو روزے سے ہوں۔

ان ارشادات سے واضح ہے کہ روزہ انفرادی زندگی سے زیادہ اجتماعی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں کتنے دل نشین انداز میں آنحضورﷺ نے روزے کا فلسفہ اور اس کی حکمت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:'' من لم يدع قول الزور والعمل به فليس لله حاجة ان يدع طعامه و شرابه''(بخاری ومسلم) یعنی جس نے باطل گفتگو اور باطل عمل سے اپنے آپ کو نہیں بچایا تو خدا کو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

ایک اور روایت میں ارشاد ہے:'' رب صائم ليس له من صيامه إلا الجوع والعطش''(ابن ماجہ) یعنی کتنے روزے دار ایسے ہیں جن کو ان کے روزوں سے سوائے بھوک پیاس کے اور کچھ بھی پلے نہیں پڑتا۔

حج کے اجتماعی منافع:

مناسک حج پر غور کیا جائے تو وہاں بھی اجتماعی تعاون اور باہمی ہمدردی، خیر خواہی، اور غم گساری کی روح کارفرما نظر آئے گی، اس عبادت کے ذریعہ انسان گوشہ نشینی، عزلت پسندی، اور عیش وعشرت کی زندگی کے بجائے جفاکشی، مجاہدانہ عزیمت اور ربط وتعلق کی نعمت سے مالا مال ہوتا ہے۔

طواف کعبہ اور سعی صفا ومروہ سے سبق ملتا ہے کہ ایک مومن کو دین کی راہ میں ثابت قدم رہتے ہوئے مرتے دم تک حق کے محور پر ہی اسے گھومنا چاہئے، منٰی میں رمی جمار سے اشارہ ملتا ہے کہ باطل کو سرنگوں کرنے کے لئے انسان کو ہر وقت کمربستہ رہنا لازمی ہے۔

قرآن حکیم نے حج کی ان حکمتوں کو چند مختصر کلمات میں کھول دیا ہے:﴿ليشهدوا منافع لهم﴾ تاکہ وہ اپنے منافع وفوائد کا (خود بچشم سر) مشاہدہ کرلیں۔

زکوٰۃ کے اجتماعی مصالح:

اسی طرح فریضۂ زکوٰۃ بھی اجتماعی مصالح ومنافع کا ایک اہم سرچشمہ ہے۔اسلام کا اعلان ہے کہ مسلم معاشرے کے تمام افراد ایک دوسرے کی ضروریات کے ذمہ دار ہیں۔حکومت اور ملک کے خوش حال افراد کا فرض ہے کہ وہ سوسائٹی کے بے سہارا لوگوں کی اس طرح مدد کریں کہ وہ خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہوسکیں! آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے:’’ إن الله فرض على أغنياء المسلمين فى أموالهم بقدر الذى يسع فقرائهم ولن يجهد القراء إذا جاعوا وعروا إلا بما يصنع أغنيائهم آلَا وان الله يحاسبهم حسابا شديدا أو يعذبهم عذاباً أليما‘‘(طبرانی مرفوعا وابن حزم موقوفاً علی) یعنی اللہ تعالیٰ نے خوش حال مسلمانوں کے مالوں میں اتنی مقدار کو لازم کردیا ہے جو ناداروں کو کافی ہوسکے نادار افراد بھوک وننگ کی مشقت میں خوش حال لوگوں کے طرزِ عمل ہی کی بناپر مبتلا ہوسکتے ہیں۔

سنو! اللہ تعالیٰ ان (اغنیاء سے اگر انہوں نے بے سہارا لوگوں کی پرواہ نہ کی) سخت باز پُرس کرے گا۔اور ان کو درد ناک عذاب بھگتنا پڑے گا۔

یہاں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ زکوۃ وصدقات مال داروں کی طرف سے عطیہ یا احسان نہیں ہے بلکہ ان کے مال ودولت میں مساکین اور بے سہارا افراد کا حق رکھا گیا ہے جس کا ادا کرنا ان پر فرض ہے۔قرآن حکیم میں ارشاد ہے: ﴿وفي أموالهم حق معلوم للسائل والمحروم﴾(معارج) یعنی وہ نمازی جن کے مالوں میں سائل ومحروم کے لئے متعین حق ہے۔

قرآن حکیم کی اس تصریح سے غرباء ومساکین زکوٰۃ وصدقات لیتے ہوئے کسی کے زیرِ بار احسان نہ ہوں گے۔کیونکہ وہ اپنا حق لے رہے ہیں۔جس طرح کہ ایک سپاہی اور ایک استاد اپنی ماہانہ تنخواہ لیتا ہے۔یہ اجتماعی تکافل کی ہدایت تیرہ سو برس پہلے دی گئی تھی جب کہ دوسری قومیں اس قسم کے اجتماعی تعاون کے کاموں سے قطعاً ناآشنا تھیں۔افسوس ہے کہ یہ اجتماعی شعور اب مسلم معاشرہ میں کمزور ہوتا جارہا ہے جس کی بناپر وہ ہر لحاظ سے روبہ انحطاط ہیں ان کی ترقی کا راز اس میں ہے کہ وہ ہمیشہ اللہ کے اس حکم کو پیش نظر رکھیں:﴿يا أيها الذين آمنوا استجيبوا لله وللرسول إذا دعا كم لما يجيبكم واعلموا أن الله يحول بين المرء وقلبه وانكم إليه تحشرون۔" ’’یعنی اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی پُکار پر لبیک کہو جب کہ رسول ایسی چیز کی طرف تمہیں بلائے جو تمہیں زندگی بخشے اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہوجاتا ہے۔اور جان لو کہ تم سب اسی کی طرف جمع کئے جاؤ گے۔‘‘

☆☆☆

خلیفۂ اول صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تنقیص اور شیعہ

(۴-۴)

مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی
استاذ جامعہ رحمانیہ، بنارس

اتباع سنت کا جذبہ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ:

ابوبکر رضی اللہ عنہ کے رگ وپے میں محبت رسول پیوست تھی، اتباع رسول کی راہ میں اگر مخالفتوں کا طوفان آجائے تو آپ نے کبھی اس کی پرواہ نہیں کی، مختلف مواقع پر ہم دیکھتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو عزیمت بن کر سامنے آئے اور انہیں اتباع سنت کے سامنے کوئی طاقت سرنگوں نہ کرسکی، اسی اتباع رسول نے ہر مقام پر آپ کو کامیابی عطا کی۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی ہی میں رومیوں سے محاذ آرائی کے لئے اسامہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک لشکر تیار کیا تھا، ابھی یہ لشکر مقام جرف ہی میں تھا کہ آپ مرض الموت میں مبتلا ہوگئے، لشکر کی روانگی سے قبل ہی آپ رحلت فرما گئے، آپ کی وفات کی خبر تیزی سے پورے عرب میں پھیل گئی، عرب کے قبائل اپنی جاہلی زندگی پر واپس جانے کے لئے بے تاب ہوگئے، بغاوت کے شعلوں نے عرب کے بیشتر علاقوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، حالات بے حد نازک ہوگئے، اجلۂ صحابہ کا مشورہ تھا کہ لشکر اسامہ کی مہم ملتوی کردی جائے اور باغیوں کی خبر لی جائے، اس خطرناک صورت حال میں بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قدم نہیں ڈگمگائے، آپ نے بحیثیت خلیفہ پہلا حکم دیا کہ لشکر اسامہ رومیوں کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوجائے، اجلۂ صحابہ نے آپ کو روکنا چاہا تو آپ نے فرمایا: ''مجھے اس ذات کی قسم ہے، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر مجھے یقین ہو کہ جنگل کے درندے مجھے اٹھا کر لے جائیں گے تو بھی اسامہ کے لشکر کو روانہ ہونے سے نہیں روک سکتا، جسے رسول اللہ ﷺ نے روانہ ہونے کا حکم دیا تھا، اگر مدینہ میں میرے سوا کوئی بھی ذی جان باقی نہ رہے تو بھی اس لشکر کو ضرور روانہ کروں گا۔(۱) دنیا نے دیکھ لیا کہ آپ کا فیصلہ بالکل درست تھا، لشکر اسامہ پہلا لشکر تھا، جس نے شام وایران وغیرہ کی فتوحات کی بنیاد رکھی، لشکر اسامہ نہ صرف فتح سے ہم کنار ہوا بلکہ عرب بدوؤں کو اس قدر دہشت زدہ کردیا کہ وہ قبائلی عصبیت بھلا کر جہاد کی راہ میں نکل پڑے۔

اتباع سنت کا نظارہ ہمیں اس وقت بھی دیکھنے کو ملتا ہے جب رسول اللہ ﷺ کی چہیتی بیٹی فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا عباس رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور آپ سے رسول اللہ ﷺ کی میراث، فدک کی زمین اور خیبر کا حصہ طلب کرنے لگیں، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: "لا نورث، ما ترکنا صدقة وانما یأکل آل محمد من هذا المال" (۲) ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا ہے، جو کچھ ہم چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوا کرتا ہے، یقیناً آل محمد اس مال سے کھاتے رہیں گے۔ یہ حدیث اتنے صحابیوں سے مروی ہے کہ تواتر کے درج کو پہنچی ہوئی ہے۔ مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ جو کام کیا کرتے تھے، میں اس کو چھوڑ نہیں سکتا، اس کو ضرور کروں گا، اگر میں نے اس میں سے کسی چیز کو چھوڑ دیا تو گمراہ ہوجاؤں گا''۔(۳) یہ سن کر فاطمہ رضی اللہ

(۱) تاریخ الطبری: ۴/۴۰۔ (۲) البخاری: ۶۷۲۶۔ (۳) مسلم: ۱۷۵۹۔

عنہا اپنے مطالبہ سے باز آ گئیں اور بے چوں و چرا فرمان نبوی کو تسلیم کرلیا، فاطمہ رضی اللہ عنہا کی پرورش آغوش نبوت میں ہوئی تھی، وہ فرامین رسالت کی اہمیت سے باخبر تھیں، اگر انہیں یہ حدیث معلوم ہوتی تو کبھی میراث کا مطالبہ نہ کرتیں، فرمان نبوی کا علم ہوتے ہوئے وہ واپس چلی گئیں اور دوبارہ نہ انہوں نے اور نہ ان کی اولاد نے کبھی میراث کا مطالبہ کیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد، عمر فاروق، عثمان اور خود علی رضی اللہ عنہم نے اس عمل سے سرمو انحراف نہیں کیا۔

میراث نبی کے واقعہ کی بس اتنی سی حقیقت تھی جسے رافضیوں نے افسانہ بنادیا، کبھی کہا گیا ہے کہ وہ ناراض ہوکر روتی ہوئی گئیں اور کہا کہ میں قیامت کے دن ابّا حضور سے شکایت کروں گی، کبھی کہا گیا کہ فاطمہ وعلی کی عداوت میں اس قدر آگے بڑھ گئے کہ آپ کو زدوکوب کیا، آپ کا گھر گرادیا، دختر نبی کی کتنی بڑی توہین ہے کہ یہ کہا جائے کہ وہ فرمان نبوی سن کر بھی ناراض ہوگئیں، گویا ان کی نظر میں حدیث کی کوئی وقعت نہیں ہے، اگر نبی کے مال میں میراث جاری ہوتی تو خود ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی بیٹیاں بھی فائدہ اٹھاتیں، ابوبکر رضی اللہ عنہ مال وزر کی پرواہ کرتے تو خوشی خوشی میراث بانٹ دیتے تاکہ ان کی بیٹی کو بھی ترکہ ملے مگر آپ کو فرمان نبوی سے ذرہ برابر انحراف گوارہ نہ تھا، ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں مدینہ کے مال فے، فدک کے اموال اور خیبر کے خمس میں اہل بیت کے حقوق برابر ادا کرتے رہے، لیکن فرمان رسول کی اتباع میں میراث کا حکم جاری نہیں کیا، آپ کے بارے میں یہ سوچنا بھی گناہ ہے کہ آپ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حق مار سکتے ہیں جب کہ آپ کا ارشاد ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے قرابت دار میرے نزدیک اپنے قرابت داروں کے ساتھ صلہ رحمی سے زیادہ محبوب ہیں۔(۱) ابوبکر اور علی رضی اللہ عنہما کے خاندان میں تعلق اور رشتہ طرفین کی باہمی محبت پر مبنی تھا۔ علی رضی اللہ عنہ کو ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس قدر محبت اور عقیدت تھی کہ اپنے بیٹے کا نام ابوبکر رکھا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد آپ کے بیٹے محمد کو گود لے لیا، اس کی پرورش اور پرداخت کی اور اپنے دور خلافت میں ان کو والی بنایا۔ یہ بات بالکل غلط ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے قطع تعلق کرلیا تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ خلافت کے امور اور مرتدین کی سرکوبی میں الجھے رہے، دوسری طرف فاطمہ رضی اللہ عنہا خانہ نشین ہوگئیں اور سخت بیمار پڑ گئیں اور رسول اللہ ﷺ کی وفات سے چھ ماہ بعد ہی اس دنیا سے کوچ کر گئیں۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قائدانہ صلاحیت:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین رسول اللہ ﷺ کے صدمے سے ابھر بھی نہ پائے تھے کہ اسلام کو ارتداد کے فتنے سے سابقہ پڑا، وہ حیران وپریشان تھے کہ اسلام کا تحفظ کس طرح کریں، مدعیان نبوت ایک طرف برساتی مینڈکوں کی طرح کھدروں سے نکل کر ٹرانے لگے، دوسری طرف عرب کے بدوی قبائل مدنی حکومت کا جوا کاندھوں سے اتار پھینکنے کے لئے بے تاب ہوگئے، تیسری طرف مسلمانوں کا ایک گروہ ایسا تھا کہ جو اسلام کو تسلیم کرنے پر آمادہ تو تھا، لیکن زکوۃ کی ادائیگی اسے گوارہ نہیں تھی، یہ وقت خلیفۂ رسول کی قائدانہ صلاحیت، سیاسی بصیرت اور مدبرانہ طریقۂ کار کا زبردست امتحان تھا، صحابہ کرام کی رائے تھی کہ یہ موقع نرمی کا ہے، سختی کا نہیں ہے، عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسلسل اصرار کررہے تھے کہ آپ ان لوگوں سے کیسے قتال

(۱) علی محمد محمد الصلابی: ابوبکر صدیق: ۳۲۲۔

کریں گے جو لا الہ الا اللہ کے قائل ہیں، ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دوررس نگاہیں حقیقت کی تہ تک پہنچ چکی تھیں کہ اگر آج ارتداد کے اس سیلاب بلاخیز پر باندھ نہ باندھا گیا، بغاوت کے اس شعلے کو نہ بجھایا گیا، منافقت کے دریچوں کو نہ بند کیا گیا تو اسلام کی خیر نہیں، وہ پھول بننے سے قبل مرجھا جائے گا، شادابی بہار دیکھنے سے پہلے ہی بادخزاں اسے کمھلا دے گی۔

آپ نے اکثریت کے مشورے کو رد کردیا اور فرمایا: ''واللہ اگر انہوں نے اونٹ باندھنے کی رسی جو رسول اللہ ﷺ کو زکوۃ میں دیتے تھے، روک لیا تو میں ان سے اس روکنے کی وجہ سے قتال کروں گا''۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جرأت ایمانی دیکھ کر اعتراف کیا کہ آپ حق پر ہیں، عمر فاروق فرماتے ہیں کہ: اللہ کی قسم مرتدین سے قتال کرنے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایمان پوری امت کے ایمان پر بھاری تھا''۔(۱)

مختصر سے عرصہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فتنۂ ارتداد کو کچل کر رکھ دیا، مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کو کیفر کردار تک پہنچایا، آپ کی قائدانہ صلاحیت نے اسلام کی شان وشوکت کو نہ صرف برقرار رکھا، بلکہ فتوحات کا ایسا دروازہ کھول دیا کہ ایران وروما کی سلطنت مٹ گئیں۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ علم کے سمندر تھے:

پوری امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے بعد امت کے سب سے بڑے فقیہ اور عالم تھے، ہر اہم موقع پر آپ کی علمیت کی شان ظاہر ہوتی تھی، مجلس شوری میں رسول اللہ ﷺ سے گفتگو ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی فرماتے تھے، آپ کی علمیت ہی کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے مدینہ سے پہلے حج کا امیر آپ ہی کو مقرر کیا، مرض الموت میں امامت کی ذمہ داری آپ کے سپرد کی، شریعت کا کوئی ایسا مسئلہ منقول نہیں ہے جس میں آپ نے غلطی کی، آپ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں فتوی دیا کرتے تھے اور آپ خاموش رہتے، رسول اللہ ﷺ کے مقام تدفین کی تعیین آپ ہی نے فرمائی، مانعین زکوۃ سے جنگ کا مسئلہ آپ نے واضح کیا، قریش کی خلافت کا استحقاق آپ نے بتلایا، نبی کی وراثت سے متعلق مسئلہ آپ ہی نے بیان کیا۔

مومنانہ بصیرت:

اللہ نے آپ کو بے پناہ دانائی اور بصیرت سے نوازا تھا، اسی بصیرت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے آپ کو مشیر خاص بنایا تھا، اور اہم معاملات میں آپ ہی کے مشوروں کو ترجیح دیتے تھے، آپ کی بصیرت نے منشائے الٰہی اور منشائے نبوی کو سمجھنے میں کبھی غلطی نہیں کی، صلح حدیبیہ کے موقع پر مشرکین مکہ کی شرائط بظاہر توہین آمیز تھیں، عمر فاروق سب سے زیادہ تشویش کے شکار تھے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے اندیشوں کا اظہار کیا، آپ نے ارشاد فرمایا: ''میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، میں اس کے حکم کی نافرمانی نہیں کرسکتا، اور اللہ مجھے ہرگز ضائع نہیں کرے گا''۔(۲) پھر وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، آپ نے بھی وہی جواب دیا جو رسول اللہ ﷺ نے دیا تھا، حالانکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کا جواب نہیں سنا تھا، جواب میں مطابقت صرف اس وجہ سے تھی کہ آپ منشائے الٰہی اور منشائے نبوت کو فوراً سمجھ جاتے تھے۔

(۱) صلابی: ابوبکر صدیق ص ۳۶۵۔ (۲) سیرت ابن ہشام: ۳/۳۴۶۔

ایمان وعقیدہ، علم وعمل، دانائی وبصیرت اور حسن تدبیر وحسن انتظام غرضیکہ ہر مقام پر اور ہر جگہ وہ دوسروں سے ممتاز نظر آتے ہیں، آپ کے فضائل وکمالات کی شہادت قرآن اور سنت نے دی، صحابہ کرام، تابعین عظام، محدثین، فقہا، علما اور تمام اہل سنت وجماعت، جس کی اکملیت اور افضلیت کا عقیدہ رکھیں، اس سے انکار وہی کرسکتا ہے جو چشم بینا سے محروم ہو، جس کے سمع وبصر اور قلب پر اللہ نے مہر لگادی ہو، عمر فاروق کا سیاسی تدبر، انتظامی صلاحیت، عثمان ذوالنورین کی حیائے ایمانی کا تفوق، حیدر کرار کی شجاعت اور بسالت، ابوعبیدہ کی امانت داری، عبداللہ بن مسعود کا تفقہ فی الدین، عبداللہ بن عباس کی ترجمانی قرآن اور خالد بن ولید کی خدائی تلوار ان سب خوبیوں کا اجتماع دیکھنا ہو تو ابوبکر صدیق کی شخصیت کا مطالعہ کیجئے، یقیناً آپ کا حق ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کو افضل البشر بعد الانبیاء کہا جائے۔

ابوبکر اللہ رب العالمین کی نظر میں:

قرآن مجید میں اللہ رب العالمین نے متعدد اور مختلف مقامات پر صحابہ کرام کے فضائل کا ذکر کیا ہے، ابوبکر رضی اللہ عنہ ان میں شمولیت کے سب سے پہلے حق دار ہیں، اس کے ساتھ ہی کچھ ایسے مقامات ہیں، جہاں خاص طور سے اللہ نے حضرت ابوبکر کا ذکر کیا ہے، فرمان الٰہی ہے: ﴿وسيجنبها الأتقى الذي ما له يتزكى، وما لأحد عنده من نعمة تجزى، الا ابتغاء وجه ربه الأعلى، ولسوف يرضى﴾ (سورۃ اللیل) مفسرین نے بالاتفاق ذکر کیا ہے کہ ان آیات میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تعریف وتوصیف بیان کی گئی ہے کیونکہ وہی اپنے مال کو مسلمان غلاموں اور کنیزوں کو آزاد کرنے کے لئے وقف کردیا تھا۔

" الا تنصروه فقد نصره الله إذ أخرجه الذين كفروا ثاني اثنين إذ هما في الغار اذ يقول لصاحبه لا تحزن إن الله معنا "۔

ہجرت کے سفر میں جب غار ثور میں رسول اکرم ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ پناہ لئے ہوئے تھے، اس وقت اللہ نے ابوبکر کو ثانی اثنین کے خطاب سے نوازا تھا اور اپنی معیت خاص میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ انہیں بھی شریک کیا تھا، اللہ اکبر اس قدر علو مرتبت یہ تو انبیاء کے بعد سوائے ابوبکر کے کسی کو حاصل نہیں ہوئی۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی نظر میں:

اگر ابوبکر رسول اللہ ﷺ کے لئے جان ودل فدا کئے ہوئے تھے تو نبی کی بھی چاہت ان کے لئے کم نہ تھی، اگر کوئی شخص اپنے کسی عمل سے ابوبکر کو تکلیف پہنچاتا تو رسول اللہ ﷺ کے رخ انور پر ناگواری کے آثار صاف دیکھے جاتے تھے، آپ رسول اللہ ﷺ سے بارہا اپنے قول اور عمل کے ذریعہ صحابہ کرام پر واضح کردیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ان میں سب سے برتر ہیں اور انہیں نبی کی قربت سب سے بڑھ کر حاصل ہے، چنانچہ ایک سو کیاسی حدیثیں ایسی ہیں جن میں آپ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی محبت، چاہت، رسالت مآب ﷺ اور اسلام کے لئے ان کی فداکاری اور جاں نثاری کا ذکر فرمایا، بطور نمونہ چند احادیث صحیحہ ہدیۂ قارئین ہیں:

(۱) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "إن أمن الناس علي في صحبته وماله أبوبكر ولو كنت متخذا خليلا غير ربي لاتخذت أبا بكر ولكن اخوة الاسلام ومودته، لا يبقين في المسجد الأبواب الا باب أبي بكر" (۱) لوگوں میں صحبت اور مال کے اعتبار سے میرے اوپر ابوبکر کا سب سے بڑا احسان ہے، اگر میں اپنے رب کے علاوہ کسی کو خلیل بناتا تو وہ ابوبکر ہوتے، لیکن اسلامی اخوت اور محبت کا رشتہ کافی ہے، مسجد میں ابوبکر کے دروازے کو چھوڑ کر کوئی دریچہ باقی نہ رہے۔

(۲) ابوبکر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بربنائے بشریت کچھ رنجش ہوگئی تو آپ کا چہرہ غضب ناک ہوگیا، آپ نے فرمایا: "هل أنتم تاركولي صاحبي ؟ هل أنتم تاركولي صاحبي؟ إني قلت يا أيها الناس إني رسول الله جميعا فقلتم كذبت وقال أبوبكر صدقت" (۲) کیا تم میرے لئے ساتھی کو چھوڑو گے؟ کیا تم میرے لئے میرے ساتھی کو چھوڑو گے؟ آپ نے یہ جملہ دوبار فرمایا، میں نے کہا: میں تم سب کی جانب اللہ کا نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں، تم نے میری اس بات کی تکذیب کی اور ابوبکر نے تصدیق کی۔

(۳) ایک بار حضرت عمرو بن عاص نے آپ ﷺ سے سوال کیا: "أي الناس أحب إليك ؟ قال: "عائشة" فقلت: "من الرجال"؟ قال: "أبوها"، فقلت: "ثم من"؟ قال: "ثم عمر بن الخطاب" فعد رجالا۔ (۳)

آپ کو لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب کون ہیں؟ فرمایا: عائشہ، عرض کیا: مردوں میں؟ آپ نے فرمایا: ان کے والد، عرض کیا: پھر کون؟ فرمایا: پھر عمر بن خطاب، پھر کچھ اور لوگوں کو گنایا۔

(۴) رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھ ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین احد پہاڑ پر چڑھے، پہاڑ لرزنے لگا، آپ نے فرمایا: "أثبت أحد فانما عليك نبي وصديق وشهيدان" اے احد ٹھہر جا، اس وقت تیرے اوپر نبی، صدیق اور دو شہید ہیں۔ (۴)

(۵) محمد بن حنفیہ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا: رسول اللہ ﷺ کے بعد لوگوں میں سب سے افضل کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''ابوبکر''، میں نے کہا: ''پھر کون؟''، آپ نے فرمایا: ''عمر''، مجھے اندیشہ ہوا کہ آپ عثمان کا نام لیں گے، میں نے کہا: ''پھر آپ؟''، فرمایا: ''میں تو ایک معمولی سا مسلمان ہوں''۔ (۵)

حقیقت یہ ہے کہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی جاں سپاری، جاں نثاری اور فداکاری نے آپ کے دل میں اس طرح جگہ بنالی تھی کہ آپ کی زبان پر یہ الفاظ چڑھ گئے تھے: "أنا وأبوبكر وعمر"۔

اللہ رب العالمین ہم سب مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے طریق اور خلفائے راشدین کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے، آمین۔

☆☆☆

---

(۱) الفتح: ۱۲/۷۔ (۲) ایضا: ۱۸/۷۔ (۳) الفتح: ۸/۷۔
(۴) بخاری: فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب فضل ابی بکر۔ (۵) الفتح: ۲۱/۷۔

دارالحدیث رحمانیہ دہلی

مدرسہ کی تعمیر اور افتتاحی پروگرام

مولانا اسعد اعظمی/ استاد جامعہ سلفیہ بنارس

مدرسہ کی تعمیر:

پہلے یہ ذکر ہو چکا ہے کہ بانیان مدرسہ شیخ عبدالرحمٰن وشیخ عطاء الرحمٰن صاحبان نے آپسی اتفاق سے اپنی تجارت علیحدہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا تاکہ آگے چل کر کسی بھی طرح کے ناپسندیدہ اختلاف سے محفوظ رہا جا سکے۔ ان نیک دل بھائیوں نے تجارت علحدہ کرنے سے قبل ایک دینی مدرسہ کی تعمیر کا پختہ ارادہ کر کے نقد میں سے دولاکھ روپئے بطور مصارف تعمیر علحدہ کر لیے، اس کے علاوہ مدرسہ کے اخراجات، تنخواہ اساتذہ، مطبخ کے اخراجات اور دوسرے مصارف کے لیے ایک ہزار روپئے آمدنی کی جائیداد الگ کر لی، بعدہ حصہ رسدی تقسیم کر کے علحدہ ہو گئے۔ [۱]

یہ حضرات دہلی کے رؤسا اور شرفا میں سے تھے ارحکام بالا تک رسائی اور اثر رسوخ کافی گہرا تھا، لہٰذا مدرسہ اور مسجد کے لیے گورنمنٹ سے مفت زمین حاصل کر لی۔ [۲] دونوں بھائیوں کے مشترکہ سرمایہ سے دارالحدیث کی خوشنما عمارت تقریباً ایک لاکھ کے کثیر سرمایہ سے بن کر تیار ہو گئی۔ [۳]

دارالحدیث رحمانیہ کو دونوں بھائیوں شیخ عبدالرحمٰن وشیخ عطاء الرحمٰن نے قائم کیا، بڑے بھائی شیخ عبدالرحمٰن کا مدرسہ کی تاسیس وافتتاح کے بعد ہی انتقال ہو گیا محترم فاروق اعظمی لکھتے ہیں:

''افسوس کہ اس ادارے نے اپنی زندگی کا ایک سال بھی پورا نہیں کیا تھا کہ حاجی شیخ عبدالرحمٰن صاحب اس ادارہ کا سارا بوجھ اپنے لڑکے حاجی عبدالستار اور اپنے بھائی شیخ عطاء الرحمٰن کے سر ڈال کر راہی ملک (بقا) ہو گئے، مزید افسوس کہ حاجی عبدالستار صاحب بھی عین عالم شباب میں رحلت کر گئے، اور ساری ذمہ داری شیخ عطاء الرحمٰن صاحب پر آ گئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بانی مدرسہ حاجی عبدالرحمٰن صاحب مرحوم کی ساری توانائیں، صلاحیتیں، وسائل حتی کہ ان کی عمر عزیز اسی کار خیر کی منتظر تھی، ادھر مدرسہ کا قیام عمل میں آیا، ادھر آپ نے دعوت اجل کو لبیک کہا، اللہم اغفرلہ وارحمہ۔'' [۴]

تعمیر کے وقت کے احساسات:

جب مدرسہ کی تعمیر شروع ہو گئی تو لوگوں میں انبساط ومسرت کی لہر دوڑ گئی اور اچھے تعلیمی مستقبل کا تصور کر کے لوگ شاداں وفرحاں نظر آنے لگے، اس وقت لوگوں کے احساسات کے بارے میں اس مدرسہ میں داخلہ کے امیدوار حکیم عبدالکریم

[۱] مجلّہ اہل حدیث ہریانہ۔ ۲۱/مئی ۱۹۷۹ء
[۲] ماہنامہ محدث بنارس۔ اکتوبر ۱۹۸۴ء
[۳] ماہنامہ محدث بنارس۔ اکتوبر ۱۹۸۴ء
[۴] ماہنامہ محدث بنارس۔ اکتوبر ۱۹۸۴ء

قریشی (میسور) لکھتے ہیں:

''........مدرسہ کی تعمیر اتنی ہوگئی تھی کہ بنیاد کے اوپر کہیں دو اور کہیں تین فٹ کی دیوار اٹھ گئی تھیں، اکثر طلبہ اہل حدیث اس مقام کا طواف کیا کرتے تھے اور یہ تمنا کرتے تھے کہ ان شاء اللہ ہم بھی اس مدرسہ میں داخلہ لے کر یہیں تعلیم حاصل کریں گے ....جیسے جیسے مدرسہ کی عمارت کی دیواریں بلند سے بلند تر ہوتی جارہی تھیں دو قسم کی جماعتوں میں دو قسم کے احساسات بھی پختہ تر ہوتے جارہے تھے:

۱-طلبہ کی برادری: ان میں یہ احساس اور شوق مرور ایام کے ساتھ ساتھ مضبوط اور گہرا ہوتا جارہا تھا کہ اب جماعت اہل حدیث کا بھی ایک ایسا مدرسہ وجود میں آنے والا ہے جس کو با قاعدہ و باوقار دینی درسگاہ کہا جاسکتا ہے، جہاں تعلیم کا بہتر سے بہتر انتظام ہوگا۔ جماعت کے مشہور و معروف علماء کی خدمات تعلیم و تدریس کے لیے حاصل کی جائیں گی اور جہاں کے تعلیمی ماحول سے ایک علم وفن کا متلاشی بیش از بیش استفادہ کرسکتا ہے۔ چنانچہ اہل حدیث کے مدارس کا ہر طالب علم متمنی تھا کہ اس کا داخلہ بھی اس مدرسہ میں ہو جائے۔

۲-چونکہ دہلی کی پنجابی برادری ہی کے ایک خاندان نے اتنی دریادلی اور سیر چشمی سے یکہ وتنہا اتنے بڑے مدرسہ کی تعمیر وتاسیس کا بیڑا اٹھایا ہے اور اب تک اشارۃً و کنایۃً بھی چندے کی اپیل نہیں کی گئی، آئندہ جب عمارت کی تکمیل کے بعد اساتذہ کی تنخواہوں اور طلبہ کے قیام وطعام کا مسئلہ سامنے آئے گا تو ضرور چندے کا سوال پیدا ہوگا، کیونکہ فرد واحد کے بس کی یہ بات نہیں ہے کہ انفرادی اور شخصی طور پر تمام مصارف کے لیے ایک ہی شخصیت ذمہ دار ہو جائے۔

لہذا ہر اہل حدیث پنجابی تاجر اپنے دل کی گہرائیوں میں یہ تمنا اور آرزو رکھتا تھا کہ جب چندے کا سوال اٹھے گا تو میں ماہانہ اتنا دوں گا، وہ اتنا دے گا، ....لیکن مدرسہ کے افتتاحی اجلاس میں جب یہ اعلان کیا گیا کہ مدرسہ کے جملہ مصارف شیخ صاحب ہی کے جیب خاص سے پورے کیے جائیں گے، کسی قسم کی امداد یا چندے کی اپیل فی الحال نہیں کی جائے گی-بس اس اعلان کے ساتھ ہی پنجابی برادری کے افراد کے چمکتے دمکتے چہرے عبوسا قمطریرا نظر آنے لگے، وہ پنجابی حضرات جو اس کار خیر میں للہ فی اللہ بیش از بیش حصہ لینے کے متمنی تھے بے آس و نراس ہوگئے .....''[۱]

مدرسہ کی عمارت:

مولانا محمد صاحب جونا گڈھی (م ۱۹۴۱ء) مدرسہ کی عمارت کا تعارف کراتے ہوئے اپنے پندرہ روزہ رسالہ ''اخبار محمدی'' میں لکھتے ہیں:

''مدرسہ کا رقبہ آٹھ نو سو گز ہے، ایک وسیع اور شاندار بلڈنگ ہے، جس میں طلبہ کی رہائش کے لیے (۳۵) کشادہ اور ہوادار کمرے ہیں، درس وتدریس کے لیے ان سے وسیع تر آٹھ کمرے اور ہیں جن میں برقی روشنی اور بجلی کے پنکھوں کا انتظام

[۱] مجلّہ اہل حدیث ہریانہ، ۲۱/مئی ۱۹۷۹ء

ہے، مدرسہ کے جنوبی حصہ میں ایک بڑا ہال (دارالتذکیر) ہے، جس میں سالانہ امتحان اور دیگر خاص جلسے منعقد کیے جاتے ہیں۔ایک باورچی خانہ بھی علحدہ ہے۔عمارت کے بالائی حصہ میں ایک شاندار کتب خانہ کی عمارت ہے جس میں عربی اردو کی ہزاروں کتابیں موجود ہیں، مدرسہ کے مغربی جانب ایک کشادہ شاندار مسجد ہے، مدرسہ اور مسجد کے درمیان طلبہ کی ورزش کے لیے ایک سبزہ زار بنا ہوا ہے، جس کے چاروں طرف پختہ دیوار ہے۔مدرسہ کا صحن مختلف قسم کے مفید پھول وپھل کے درختوں اور پودوں سے آراستہ وپیراستہ رہتا ہے جو ایک دلفریب باغیچہ سے کم نہیں ہے۔مدرسہ کا فوٹو بھی ''محدث'' کے سالنامہ میں چھپ چکا ہے، اس کی تعمیر پر ایک لاکھ روپیہ خرچ ہوا ہوگا۔ایک ہزار روپیہ کے لگ بھگ ماہانہ خرچ ہے''۔ ۱؎

اس ابتدائی مکمل تعمیر کے بعد بھی حسب ضرورت مدرسہ میں تعمیری اضافے ہوتے رہتے تھے اس تعلق سے اخبار محمدی میں شائع ایک خبر ملاحظہ ہو:

مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی کی تعمیر میں اضافہ:

''..........غسل خانے مدرسے کی مسجد میں تھے جو مسجد مدرسے میں ہی ہے اور بہت بڑی مسجد ہے لیکن چونکہ اہل محلّہ اور مسجد کے نمازی بھی ان ہی غسل خانوں کو استعمال کرتے تھے، اس لیے فیاض دل مہتمم صاحب نے مدرسے کے کنویں پر ٹنکی بنوا کر اس میں بجلی کی مشین لگوادی ہے جس سے چوبیس گھنٹے بافراط پانی آتا ہے، غسل خانے مدرسے ہی میں بنوادیے گئے اور تقریباً چھ سات سو روپے اس پر خرچ کیا گیا.......'' منیجر۔ ۲؎

افتتاح اور تعلیم سے متعلق اعلانات:

تعمیر کی تکمیل کے بعد مدرسہ کے افتتاح اور اس میں داخلہ سے متعلق مجلّہ اہل حدیث امرتسر میں جو اعلانات شائع ہوئے ان میں سے بعض کو مختصراً پیش کیا جارہا ہے:

۱- مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ صدر دہلی جاری ہوگیا:

مولانا ابراہیم صاحب سیالکوٹی اطلاع دیتے ہیں کہ مدرسہ سیالکوٹ کے طلبہ بہت جلد مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ واقعہ صدر بازار دہلی میں پہنچ جائیں خصوصاً ملا فیروز دین سابق طالب علم سیالکوٹ جہاں کہیں بھی ہو وہاں کے احباب اسے سیدھا دہلی روانہ کردیں، انشاء اللہ ۲۷؍شوال سنہ حال مطابق ۴؍جولائی سنہ حال کو پڑھائی شروع ہوجائے گی اور ۱۱؍جولائی کو جلسہ افتتاحیہ ہوگا۔ (مفصل اعلان آئندہ) ۳؎

۲- مدرسہ دارالحدیث سیالکوٹ دہلی میں:

اس سرخی کے تحت مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی کی طرف سے ان کے سیالکوٹ مدرسہ کا مع مدرسین وطلبہ وکتب دار

۱؎ اخبار محمدی، ۱۵/ جولائی ۱۹۳۸ء ص: ۱۰، یادگار مجلّہ اہل حدیث، ص: ۱۰۳۔ ۲؎ اخبار محمدی، دہلی، یکم اگست ۱۹۳۵ء

۳؎ اہل حدیث امرتسر ۳۱/ جون ۱۹۲۱ء ۲۴/ شوال ۱۳۳۹ھ ص: ۱۴

الحدیث رحمانیہ دہلی میں منتقلی کا تفصیلی اعلان ہے،اس کے بعد مولانا سیالکوٹی لکھتے ہیں:

''مدرسہ اور مسجد کا اہتمام اندرونی حاجی صاحب نے خاکسار کے سپرد کیا ہے اور انتظام بیرونی کے لیے چند مقتدر اصحاب کی مجلس قائم ہوئی ہے۔'' اس کے بعد تین اعلان (۱) داخلہ سے متعلق (۲) ضرورت مدرس (۳) دارالحدیث سیالکوٹ کے معاونین اپنی اعانت جاری رکھیں، افتتاحی اجلاس ۱۸؍جولائی کو ہوگا۔المشتہر خاکسار محمد ابراہیم میر سیالکوٹی ناظم وصدر مدرس۔ ۱؎

۳- مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی کا افتتاحی جلسہ:

''۱۸؍جولائی کو مدرسہ مذکور کا جلسہ بمکان مدرسہ ہوا، جناب حاجی عبدالرحمٰن صاحب بانی مدرسہ نے تحریک کی کہ مولانا ثناء اللہ صاحب اس جلسہ کے صدر ہوں، حاجی عبدالغفار صاحب وغیرہ نے تائید کی، خاکسار ابراہیم نے اور جناب حافظ عبدالوہاب صاحب دہلوی، مولوی محمد صاحب دہلوی، اور مولوی عبداللطیف صاحب مدرس مدرسہ فتح پوری دہلی وغیرہ نے فضیلت علم میں تقریریں کیں۔ سب سے آخر صدر صاحب نے تقریر فرمائی، جس میں آجکل کے طلبہ دینی اور ان کے مربیوں اور مدارس کے بانیوں اور معاونوں کو مہاجرین اور انصار کے گروہ سے تشبیہ دے کر بتایا کہ جس طرح ابتدائے اسلام میں مہاجر اور انصار تھے اسی طرح آجکل یہ دو گروہ طلبہ اور اغنیاء ہیں، خدا ان سے دینی خدمت لیتا ہے،تقریر کے بعد صدر صاحب نے افتتاح مدرسہ کا اعلان فرما دیا، آپ کے بعد حافظ محمد صدیق صاحب دہلوی نے مدرسہ کی ابتدائی تحریکات کا ذکر کر کے حسب دستور صدر صاحب کا شکریہ ادا کیا، اب مدرسہ میں تعلیم شروع ہے، سردست دو مدرس ہیں۔ (خاکسار ابراہیم سیالکوٹی) ۲؎

مدرسہ کے افتتاحی پروگرام آنکھوں دیکھا حال:

اس افتتاحی مجلس میں شریک مولانا حکیم عبدالکریم قریشی اس پروگرام کی بابت لکھتے ہیں:

''ہزاروں تمناؤں اور آرزوؤں کے جھرمٹ میں اللہ اللہ کر کے آخر وہ یوم مبارک ومسعود، جس کا بڑی بے چینی کے ساتھ انتظار کیا جا رہا تھا آن پہنچا، یعنی اس آب وگل اور حجر وحدید کے مجموعہ کو ایک مخصوص اسم سے موسوم کر کے رحمت خداوندی کا مہبط وملائکہ سماوی کے نزول وشہود کا مرکز بنانا تھا۔ اشتہارات شاہراہوں، مساجد ومدارس اسلامیہ کے نوٹس بورڈوں پر چسپاں ہو گئے، دن اور تاریخ تو اس وقت افسوس ہے کہ مستحضر نہیں ہے (☆) لیکن وقت ومقام اور شرکاء وحضار محفل کے نورانی چہرے ابھی تک میرے پردۂ تخیل پر اس طرح مرتسم ہیں کہ گویا کل ہی کی بات ہے اور تازہ منظر ہے کہ 'لم یعف رسمھا'۔

صبح کا وقت یہی کوئی دس ساڑھے دس بجے کا آوان ہوگا کہ مدرسہ کی جانب جو بڑا سا ہال تھا اس میں دریوں اور چاندنیوں کا فرش بچھا ہوا تھا، مدعوین جوق درجوق چلے آرہے تھے، اس ہال کے اندر جنوب مشرق گوشہ میں جو پختہ اسٹیج بنا ہوا تھا وہاں حضرت مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ مع چند علماء کے رونق افروز تھے، حضرت مولانا سیالکوٹی رحمہ اللہ ادھر ادھر انتظامات

۱؎ اہل حدیث امرتسر ۸/ جولائی ۱۹۲۱ء یکم ذی قعدہ ۱۳۳۹ھ ص:۱۳

۲؎ اہل حدیث امرتسر ۲۹/ جولائی ۲۲/ ذی قعدہ ص:۱۳

(☆) دن اور تاریخ کا تذکرہ آگے آرہا ہے۔

و ہدایات دینے میں مصروف تھے۔ دہلی کے متمول و مرفہ الحال مسلمانوں میں سے خصوصا پنجابی طبقہ موجود تھا اور منتظمین انتظامات میں مشغول و منہمک تھے، یہ مال دار مذہب پرست طبقہ ایک دوسرے سے سرگوشیوں میں مصروف تھا۔ ہر شخص کے چہرے پر مسرت و بہجت، شادمانی و شادکامی کے آثار ہویدا تھے، ہر طرف خوشی وخرمی کا ماحول تھا کہ ایک قاری نے اپنی قراءت سے جلسہ کی ابتداء کا اعلان کر دیا، تلاوت کے بعد حضرت مولانا امرتسری کو مسند صدارت پیش کی گئی، مولانا محمد صاحب جونا گڈھی، مولانا مولوی احمد اللہ صاحب پرتاب گڑھی اور مولانا عبداللہ صاحب روپڑی وغیرہ نے موقع ومحل کی مناسبت سے بالکل مختصر تقریریں کیں، ان تقریروں میں صرف حضرت امرتسری کی تقریر طویل تھی۔

حمد وصلاۃ کے بعد صدر صاحب نے ان تحریکات و وجوہات کا تذکرہ فرمایا جو اس عظیم درسگاہ کے وجود میں آنے کا باعث بنی تھیں، خاص طور پر شیخ عطاء الرحمٰن صاحب بانی مدرسہ کو اس مبارک ومسعود اقدام پر مبارکباد دی کہ انہوں نے یکہ وتنہا اتنے عظیم بوجھ کو للہ فی اللہ اپنے کندھوں پر اٹھایا ہے اور دعا دی کہ اللہ تعالیٰ اس ایثار کو قبول کرے۔

اس کے بعد دہلی والوں سے خطاب فرمایا کہ اس عظیم الشان تعلیم گاہ کے بنانے اور سنوارنے میں اگر چہ آپ نے ہمت وقربانی کا ثبوت دیا ہے لیکن ہم پنجابیوں نے بھی ایک بہت بڑے ایثار سے کام لیا ہے کہ مولانا سیالکوٹی کو جو اہل حدیثان پنجاب کی علمی دنیا میں بمنزلہ روح مانے جاتے ہیں اس مدرسہ کی خدمت کے لیے پنجاب سے دہلی روانہ کر دیا ہے، یعنی اس دینی درسگاہ کی تاسیس وتعمیر میں آپ نے اگر آب وگل صرف کیا ہے تو پنجاب نے اپنی روح ودل پیش کر دیا ہے، مجھے امید ہے کہ مولانا سیالکوٹی کی موجودگی اور سرپرستی میں یہ مدرسہ کامیابی وکامرانی کے اعلیٰ ترین مدارج طے کرے گا اور یہ مدرسہ ان شاء اللہ بہت جلد عملی حیثیت سے آسمان عزت وشہرت پر اختر تاباں بن کر ضیا بار وضوفشاں ہوگا۔

مجھے شیخ عطاء الرحمٰن نے یہ اعلان کرنے کی بھی ہدایت کی ہے کہ مدرسہ چونکہ ابھی ابتدائی حالت میں ہے داخلہ بھی بہت محدود ومختصر ہوا ہے اس لیے مدرسہ کے جملہ مصارف شیخ صاحب ہی کے جیب خاص سے پورے کیے جائیں گے، کسی قسم کی امداد یا چندے کی اپیل فی الحال نہیں کی جائے گی، ہاں آئندہ جب مدرسہ کے مصارف بہت بڑھ جائیں گے ان شاء اللہ اس وقت امداد یا چندے کی اپیل کی جائے گی۔''[۱]

مدرسہ رحمانیہ کا افتتاح کب ہوا تھا اس تعلق سے رحمانیہ کے افتتاح کے جلد ہی بعد اس میں داخلہ لے کر تعلیم حاصل کرنے والے علامہ نذیر احمد املوی لکھتے ہیں:

''مدرسہ رحمانیہ دہلی کا افتتاح شوال ۱۳۳۹ھ/ جولائی ۱۹۲۱ء میں ہوا، اور اسی سال تقریبا دو مہینے کے بعد ذی الحجہ میں میں مدرسہ میں بغرض تعلیم داخل ہوگیا....''[۲]

☆☆☆

---

[۱] مجلّہ اہل حدیث ہریانہ، ۲۱/مئی ۱۹۷۹ء ص: ۸-۹ [۲] اہل حدیث اور سیاست ص: ۱۱۔

بلوغ المرام اوراس کا منہج تدریس

(قسط:۲-۲)

مولانا عبدالمتین مدنی

منہج تدریس

اس کتاب کا منہج تدریس بیان کرنے سے پہلے استاذ الاساتذہ ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری رحمہ اللہ جن کا شمار اس ملک میں اسلامی علوم کی تعلیم وتدریس کے ماہرین میں ہوا کرتا تھا، کی ایک تحریر تمہیداً ذکر کرتا ہوں۔

کسی بھی مضمون کی تدریس میں مدرسین کا اسلوب جداگانہ ہوتا ہے، لہذا ضروری نہیں کہ سبق کی تیاری، القاء وتفہیم میں کسی خاص انداز کا پابند بنایا جائے لیکن اس کے باوجود کچھ عمومی امور ایسے ہیں جن کی رعایت ہر مدرس کے لیے ضروری ہے تاکہ تدریس کے عمل میں یکسانیت قائم رہے اور طلباء کو زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل ہو۔

کسی بھی کتاب کا منہج تدریس متعین کرنے سے پہلے درج ذیل امور کی رعایت ضروری ہے۔

(۱) تعلیمی مرحلہ جس میں اس کتاب کی تدریس مطلوب ہے۔

(۲) پڑھنے والے طلباء کی اوسط عمر اور ان کا علمی مستوی ومعیار۔

(۳) مطلوبہ کتاب یا نصاب کی مقدار۔

(۴) تعلیم کے ایام جس میں اس نصاب کی تدریس مطلوب ہے نیز تعلیم کا وقت۔

اگر مذکورہ بالا باتوں کی رعایت نہ کی جائے تو مناسب منہج تدریس کی تعیین ناممکن ہے۔

جامعہ سلفیہ میں بلوغ المرام ثانویہ اولی میں پڑھائی جاتی ہے جس کے طلباء کی اوسط عمر ۱۴ سے ۱۵ سال ہے اور حدیث کی سب سے پہلی کتاب ہے جو یہ طلباء پڑھتے ہیں، مدرسین کو یومیہ تقریبا ۴۰ منٹ تدریس کے لیے ملتا ہے، اور پورے سال میں ۱۶۰ سے ۱۷۵ دن تدریس ہوتی ہے، مزید یہ کہ اس کے ساتھ مصطلح کی کتاب بہجۃ النظر بھی داخل نصاب ہے، جس کے لیے ہفتہ میں ایک روز نکالنا پڑتا ہے۔

بلوغ المرام کی حدیثوں کی تعداد جمعیۃ احیاء التراث کویت کی طبع کے مطابق ۱۵۶۹ ہے، اس لیے مدرس کتاب یومیہ ۱۵ سے ۱۶ حدیثیں طلباء کو پڑھائے، ۴۰ منٹ میں ۱۵، ۱۶ حدیثوں کے پڑھانے کا مطلب یہ ہے کہ مدرس کے پاس ایک حدیث کے لیے دو سے تین منٹ کا وقت ہے، اتنے مختصر وقت میں ظاہر ہے کہ بلوغ المرام جیسی عظیم کتاب کا حق تو ادا نہیں ہوسکتا، البتہ الاہم فالاہم کی بنیاد پر ان ظروف کی رعایت کرتے ہوئے جو منہج میں مناسب سمجھتا ہوں وہ پیش خدمت ہے:

۱- متن حدیث کی خواندگی اور عبارت کی تصحیح۔

۲- مشہور رواۃ، صحابہ کرام مثلا امہات المومنین، عشرہ مبشرہ، عبادلہ، مکثرین حدیث مثلا ابوہریرہ وغیرہ کا مختصر ترجمہ۔

۳- مفردات حدیث کی لغوی تشریح۔

۴- متن حدیث کا ترجمہ۔

۵- اجمالی معنی بتلانا پھر تفصیلی معنی بتلا کر اہم احکام مستنبط کرنا۔

۶-باب سے حدیث کی مطابقت اگر واضح نہ ہو تو واضح کرنا۔
۷-دو حدیثوں کے درمیان تعارض ہو تو رفع کرنا۔
۸-ضروری مصطلحات حدیث کی تشریح کرنا۔
۹-ضرورت پڑنے پر مختصر حدیث کو مکمل بیان کر دینا۔

حالات وظروف کے اعتبار سے مدرس مزید اختصار سے بھی کام لے سکتا ہے، اور اگر وقت اجازت دے تو وہ مزید تفصیل میں بھی جا سکتا ہے۔

اس کتاب سے متعلق بعض اہم باتیں جن کا جاننا اس کتاب کے مدرسین کے لیے ضروری ہے، واضح کر دی جائیں۔

کتاب کے مقدمہ میں مصنف نے اپنے بعض اشاروں کی وضاحت کی ہے اور السبعہ ،الستۃ ،الخمسۃ ،الاربعۃ ،الثلاثۃ اور متفق علیہ سے اپنی مراد کو بیان کیا ہے۔

متفق علیہ سے عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم دونوں نے ذکر کیا ہے، جبکہ متفق علیہ سے صرف یہ مفہوم سمجھنا درست نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب ہوتا ہے کہ بخاری اور مسلم دونوں نے اس کو ایک ہی صحابی سے روایت کیا ہے، اگر حدیث کا متن بخاری اور مسلم دونوں میں ایک ہو اور صحابی الگ الگ ہو تو محدثین کی اصطلاح اس روایت کو متفق علیہ نہیں کہیں گے۔

علامہ ابن حجر لکھتے ہیں: هو ما اتفقا على تخريجه من صحابي واحد. (النکت علی ابن الصلاح ۱/۳۶۴)

مصنف بعض حدیثوں کی تخریج کرتے ہوئے کہتے ہیں: "أصله في الصحيح" ، مثلا کتاب الحج کے پہلے باب میں مصنف نے حضرت عائشہ کی یہ حدیث ذکر کی: "يا رسول الله على النساء جهاد؟ قال نعم! عليهن جهاد لا قتال فيه الحج والعمرة" اس کے بعد لکھتے ہیں: "رواه أحمد وابن ماجه واللفظ له واسناده صحيح وأصله في الصحيح".

اس حدیث کی تخریج میں مصنف نے کہا کہ واللفظ له أي ذكره غيره ممن أخرجوه بمعناه۔ یعنی اس حدیث کے الفاظ ابن ماجہ کے ہیں اور جن دوسرے محدثین نے اس حدیث کی تخریج کی ہے اس کے الفاظ اس سے مختلف ہیں، اگرچہ معنی ایک ہے، دوسری بات وأصله في الصحيح سے مصنف کی مراد یہ ہے کہ اس روایت کی اصل صحیح یعنی صحیح بخاری میں ہے اور وہ روایت یہ ہے: عن عائشة انها قالت يا رسول الله نرى الجهاد أفضل العمل أفلا نجاهد قال لا، لكن أفضل العمل حج مبرور.

اس سے یہ معلوم ہوا کہ اس روایت کی ہم معنی روایت صحیح بخاری میں ہے، جس سے اس روایت کی تائید وتوثیق ہوتی ہے، یہ ہے أصله في الصحيح کا مفہوم۔

مصنف بعض روایتوں کو مرفوع ذکر کرتے ہیں، مگر جب حدیث پر حکم لگاتے ہیں تو کہتے ہیں والراجح وقفه۔

مثال دیکھئے: وعن ابن عباس رضي الله عنهما ان النبي ﷺ قال ليس على المعتكف صيام الا أن يجعله على نفسه رواه الدار قطني والحاكم والراجح وقفه۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ مصنف جب کسی حدیث کے بارے میں یہ حکم لگائیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حدیث مرفوع نہیں بلکہ موقوف ہے یعنی حضرت عبداللہ بن عباس کا اثر ہے۔

اسی طرح بعض حدیثوں کے بارے میں یہ لکھتے ہیں کہ والراجح ارساله، مثال دیکھئے: وعن أنس رضي الله عنه قال قيل يا رسول الله ما السبيل قال الزاد والراحلة، رواه الدار قطني وصححه الحاكم والراجح ارساله۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر چہ یہ روایت امام دارقطنی نے موصولا ذکر کی ہے مگر راجح یہ ہے کہ یہ مرسل روایت ہے جیسا کہ امام بیہقی نے بھی یہ بات کہی ہے۔

اس طرح ایک بات کی وضاحت اس موقع پر اور بھی مفید ہوگی وہ یہ ہے کہ اس حدیث کی تخریج میں مصنف نے لکھا ہے: وأخرجه الترمذي في حديث ابن عمر وفي اسناده ضعف گویا مصنف نے ترمذی کی اس روایت پر ضعیف ہونے کا حکم لگایا ہے، اگر چہ امام ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔

اور اس حکم کے لگانے میں مصنف حق بجانب بھی ہیں لیکن اگر کسی حدیث کو مصنف ضعیف قرار دیں تو یہ ضروری نہیں کہ اس کا معنی بھی ضعیف ہو۔

مثال دیکھئے: وعن ابن عمر مرفوعا أحلت لنا ميتتان ودمان فأما الميتتان فالجراد والحوت واما الدمان فالكبد والطحال۔ أخرجه ابن ماجه وأحمد وفيه ضعف۔ اس کا ضعف یہ ہے کہ اس کو عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے اپنے والد اور انہوں نے ابن عمر سے روایت کیا ہے، اس کے بارے میں امام احمد کہتے ہیں: حديثہ منكر عبدالرحمٰن سے مروی حدیث منکر ہے۔

امام صنعانی لکھتے ہیں: وصح أنه موقوف واذا ثبت أنه موقوف فله حكم الرفع فيتم به الاحتجاج به لأن الصحابي يقول أحلت لنا۔

حدیثوں کی باب سے مناسبت کی وضاحت بھی مدرس کے لیے بہت ضروری ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ آخر اس حدیث کو مصنف اس باب میں کیوں لائے ہیں، مثال ملاحظہ فرمائیں:

وعن أبي سعيد رضي الله عنه مرفوعا لا تشدوا الرحال الا الى ثلاثة مساجد المسجد الحرام ومسجدي هذا والمسجد الأقصى متفق عليه۔

اس حدیث کو مصنف نے باب الاعتکاف وقیام رمضان میں ذکر کیا اور مناسب یہ ہے کہ اگر اعتکاف کے لیے یا قیام رمضان کے لیے ان تین مسجدوں کا سفر کیا جائے تو درست ہے اور ان میں اعتکاف وقیام دوسری جگہوں کے مقابلہ میں زیادہ باعث اجر وثواب ہے۔

متن حدیث کی وضاحت سے متعلق مصنف کا منہج ملاحظہ فرمائیں، باب الوضوء میں حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم کی روایت کو نقل کیا ہے، ومسح رسول الله ﷺ برأسه فأقبل بيديه وأدبر متفق عليه۔ اب فأقبل وأدبر کا مطلب کیا ہے، اس کے معا بعد دوسری روایت کے الفاظ کو ذکر کر کے اس کو واضح کر دیا۔ بدأ بمقدم رأسه حتى ذهب

بهما الى قفاه ثم ردهما الى المكان الذي بدأ فيه۔

مصنف حدیث ذکر کرنے کے بعد بسا اوقات بعض دوسری حدیثوں کا کوئی ٹکڑا ذکر کردیتے ہیں، وہ ٹکڑا بہت سارے حدیثی فوائد پر مشتمل ہوتا ہے، کبھی معنی کی وضاحت ہوتی ہے کبھی کسی شرعی حکم کی وضاحت ہوتی ہے، اس لیے مدرس کی نظر اس پر اوراس کے فوائد پر ضرور ہونی چاہئے۔

بسا اوقات مصنف ایک روایت اوراس سے متعارض دونوں کوایک ساتھ ذکر کرتے ہیں تاکہ قاری کوراجح اور مرجوح یا ناسخ اور منسوخ یا صحیح اور ضعیف دونوں کا علم ہوجائے۔

اس کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیں:

حضرت طلق بن علی کی روایت کہ مسّ ذکر (شرم گاہ کو ہاتھ لگانا) ناقض وضوء نہیں، اس کے معاً بعد حضرت بسرہ بنت صفوان کی روات کہ: من مسّ ذکره فليتوضأ جس نے اپنی شرم گاہ کو ہاتھ لگایا وہ وضوء کرے۔ بسرہ کی روایت کئی اعتبار سے طلق کی روایت سے راجح ہے، اور مصنف نے امام المحدثین کا یہ قول بھی نقل کردیا کہ هو أصح شيء في هذا الباب اس باب کی یہ سب سے صحیح روایت ہے۔

مصنف کبھی کبھی کسی حدیث پر ضعف یا علت کا حکم لگاتے ہیں، حالانکہ مصنف اس میں حق بجانب نہیں ہوتے، اس کی مثال باب نواقض الوضوء میں حضرت عبداللہ بن ابی بکر کی مرفوع روایت کوذکر کیا کہ لا يمس القرآن الا طاهر قرآن کو پاک شخص ہی ہاتھ لگائے۔ مصنف کہتے ہیں: مالک نے اسے مرسل روایت کیا ہے، جبکہ نسائی اور ابن حبان نے اسے موصولا ذکر کیا ہے، وهو معلول یعنی یہ روایت معلول ہے، مصنف نے اس روایت کواس لیے معلول قرار دیا کہ انہوں نے سمجھا کہ اس کی سند میں سلیمان بن داود یمانی ہیں، جن کے متروک ہونے پر اتفاق ہے جبکہ یہ روایت سلیمان بن داود الخولانی کی ہے جو ثقہ راوی ہیں۔

کبھی کبھی مصنف حدیث ذکر کرنے کے بعداس حدیث کا کوئی ٹکڑا الگ سے ذکر کرتے ہیں اور حدیث کی باب سے مناسبت اسی ٹکڑے سے ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر باب نواقض الوضوء میں حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش کی روایت جو استحاضہ کے بارے میں ہے اسے ذکر کیا، حدیث ذکر کرنے کے بعد مصنف نے لکھا وللبخاري ثم توضئي لكل صلاة، پھر تم ہر نماز کے لیے وضوء کرو، اس ٹکڑے سے استدلال کرکے مصنف نے استحاضہ کو نواقض وضوء میں شمار کیا، جبکہ اصل حدیث میں صرف حیض کے حکم کو بیان کیا۔

مصنف بعض حدیث کوذکر کرنے کے بعد اس کے متابعات یا شواہد کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں اوراس کے مثله یا نحوه کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں، اگر حدیث کے الفاظ اور معنی دونوں میں اصل کے موافق ہے تو اس کے لیے مثله اور اگر صرف معنی ایک ہے تو اس کے لیے نحوه کا استعمال کیا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ بلوغ المرام حجم کے مختصر ہونے کے باوجود حدیث کی ایک اہم کتاب ہے اوراس کتاب کے مدرس کی نظر اس کے علمی فوائد اور فنی محاسن پر ضرور ہونی چاہئے۔

☆☆☆

روزہ کے آداب واحکام

مولانا عبدالرحیم ریاضی/ بنارس

روزہ اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک ہے اور اللہ رب العزت کا یہ مہتم بالشان فریضہ بڑے ہی اجروثواب کا حامل ہے، اس کے اجروثواب کا اندازہ اسی بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ بنی آدم کے عمل کا ثواب اللہ عزوجل نے دینے کا وعدہ فرمایا، نیکیوں کوسات سے دس اور سات سوگنا تک بڑھانے کی بشارت دی ہے، مگر روزہ کے متعلق ارشاد فرمایا:'' إلا الصوم فإنه لي و أنا أجزي به'' (متفق عليه) یعنی روزہ میرے لئے ہے اور میں اس کا بدلہ دوں گا، ذرا سوچئے جس عمل کا ثواب رب ذوالجلال اپنے ذمہ لے لے وہ کس قدر عظیم المرتبت ہوگا؟!

مگراس جلیل القدرعبادت کی ادائیگی کے کچھ آداب رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بتائے ہیں جن کی رعایت کر کے ہی ہم اللہ کے اس فریضے کوکما حقہ ادا کر سکتے ہیں، ذیل کے سطور میں انہیں آداب واحکام کا بیان ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

رمضان کے چاند کی تحقیق کر لینا:

رمضان المبارک کے مہینے کی ابتداء شعبان المعظم کے انتیسویں دن چاند کی شہادت ہوجانے یا اگرکسی وجہ سے (بدلی چھا جانے یا مطلع صاف نہ ہونے کی بناء پر) چاند نظر نہ آئے تو شعبان المعظم کی گنتی تیس دن پوری کی جائیگی یہی سنت نبوی ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے:''صوموا لرؤيته وأفطروا الرؤيته فإن غبي عليكم فأكملوا عدة شعبان ثلاثين'' (متفق عليه) یعنی چاند دیکھ کرہی روزہ رکھواور چاند دیکھ کرہی افطار کرو۔ (عیدالفطر مناؤ) اور اگرتم سے اوجھل رہ جائے (چاند) توشعبان کی تعداد تیس دن پوری کرو۔

نیز نبی کریم ﷺ چاند دیکھنے کے وقت یہ دعا پڑھتے تھے:'' اللهم أهله علينا بالأمن والإيمان والسلامة والإسلام ربى و ربك الله هلال رشد و خير'' (رواه الترمذی) یعنی اے اللہ اسے ہمارے اوپر امن اور ایمان کے ساتھ طلوع فرما سلامتی اوراسلام والا بنا، میرا اور تیرا رب اللہ ہے، ہدایت ورہنمائی والا چاند ہو۔

رمضان کا مہینہ شروع ہوجانے پر ہر مسلمان عاقل بالغ مردوعورت پر روزہ فرض ہوجاتا ہے اوراس کوروزہ رکھنا واجب ہوجاتا ہے اِلا یہ کہ کوئی عذر شرعی ہو، مرض وسفر، حیض ونفاس وغیرہ کے قبیل سے تواس قضاء دوسرے دنوں میں کرنی پڑے گی۔ جو شخص روزہ رکھنے کی استطاعت رکھتا ہواوراس کا روزہ رکھنے کا عزم بھی ہواسے صبح صادق سے پہلے نیت کر لینی ضروری ہے۔ مگراس کے لئے زبان سے نیت کے الفاظ کی ادائیگی ثابت نہیں ہے، بلکہ نیت کا مقام دل ہے دل میں اس بات کی نیت کرے کہ وہ ماہ رمضان کے آئندہ دن کا روزہ رکھے گا۔ ارشاد نبوی ہے:'' من لم يبيت الصيام من الليل فلا صيام له '' (رواه الترمذی) یعنی جس نے رات ہی سے روزہ کی نیت نہ کی اس کا روزہ صحیح نہیں ہے، مگراس کا یہ مطلب بھی ہرگز نہیں ہے کہ مارے احتیاط کے آدمی رمضان سے قبل ہی روزہ رکھنا شروع کردے کیونکہ حدیث میں وارد ہے کہ:'' من صام يوم الشك فقد عصى أبا القاسم'' (رواه أبوداود والترمذی) جس نے شک کے دن کا روزہ رکھا اس نے ابوالقاسم (یعنی نبی ﷺ) کی نافرمانی کی۔ نیز وارد ہے کہ'' لا يتقدمن أحدكم رمضان بصوم يوم أو يومين إلا أن يكون رجل كان

يصوم صومه فليصم ذلك اليوم''(متفق عليه) تم میں سے کوئی رمضان سے ایک یا دوروز پہلے سے روزہ نہ رکھے سوائے اس آدمی کے جس کی روزہ رکھنے کی عادت ہواوروہ اس کے روزہ کا دن پڑے تو رکھ سکتا ہے۔

جب روزہ کی نیت کرے اور صبح کاذب یعنی سحری کا مسنون وقت ہوجائے تو رات کے آخری پہر صبح صادق یعنی فجر کے وقت کی ابتداء سے قبل سحری کھانا چاہئے اور فجر کا وقت شروع ہونے سے پہلے ہی اس سے فارغ ہوجانا چاہئے۔ یہی ہمارے رسول کی سنت تھی۔ جیسا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ:'' كان لرسول الله ﷺ مؤذنان بلال وابن أم مكتوم فقال رسول الله ﷺ إن بلالا يؤذن بليل فكلوا واشربوا حتى يؤذن ابن أم مكتوم قال ولم يكن بينهما إلا أن ينزل هذا و يرقى هذا۔ ''(متفق عليه)

رسول اللہ ﷺ کے دو مؤذن تھے بلال اور عبداللہ ام مکتوم رضی اللہ عنہما (اور دونوں ہی رمضان میں فجر کے لئے اذان دیتے تھے) تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ بلال رات کے وقت اذان دیتے ہیں تو کھاؤ پیو یہاں تک کہ ابن ام مکتوم اذان دیں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ دونوں کے درمیان اتنا ہی وقفہ ہوتا تھا کہ یہ اترتے اور وہ چڑھتے اذان دینے کے لئے۔

سحری کھانا بڑا افضل عمل ہے:

سحری کھانے کی فضیلت میں کئی احادیث مروی ہیں حتی کہ نبی اکرم ﷺ نے اسے ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں کے درمیان حد فاصل بتایا ہے'' فصل ما بين صيامنا وصيام أهل الكتاب أكلة السحر ''(رواہ مسلم) یعنی ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں میں بنیادی فرق سحری کھانا ہے۔ اور اگر ہوسکے تو سحری میں بھی کھجور کھانا چاہئے یہ بھی ہمارے نبی کی سنت ہے'' نعم سحور المؤمن التمر ''مسلمان کی بہترین سحری کھجور ہے۔

سحری کھانے میں بعض خلاف سنت اعمال:

سحری کھانا ایک مسنون عمل ہے اور اس پر بندۂ مومن اجر وثواب کا مستحق ہوتا ہے مگر بڑے افسوس کی بات ہے کہ کچھ مسلمان بھائی اس سنت میں بھی غفلت برتتے ہیں کوئی اسے رات کے پہلے پہر ہی کھا کر سو رہتا ہے اور کوئی اذان شروع ہوجانے کے بعد بھی کھانے میں مشغول رہتا ہے۔

حالانکہ یہ افراط وتفریط ہے ہونا تو یہ چاہئے کہ ہم اس وقت سحری کھائیں جس وقت سحری کھانا ہمارے نبی کا شیوہ تھا آپ ﷺ کی سحری اور نماز میں محض پچاسی آیتوں کی تلاوت کا وقت رہتا تھا۔ ہمیں اس وقت کی پابندی کرنی چاہئے، اس وقت سحری کھانا بڑا بابرکت ہے'' تسحروا فإن في السحور بركة ''(متفق علیہ) سحری کھایا کرو، سحری میں برکت ہے۔ چاہے اگر آدمی کی طبیعت سحری کھانے پر مائل نہ ہو تو چند گھونٹ پانی ہی پی لے۔

روزے دار کا دن:

روزہ آدمی کو جہنم کی آگ سے نجات دلانے کا ذریعہ ہے، روزے کی حالت میں انسان کو اپنے اعمال کا بخوبی جائزہ لیتے رہنا چاہئے اور ناگفتہ بہ حالات میں بھی صبر کا دامن ہاتھ سے نہ دینا چاہئے'' والصيام جنة فإذا كان يوم صوم أحدكم فلا يرفث ولا يصخب، فإن سابه أحد أو قاتله، فليقل إني صائم ''(متفق علیہ) اگر روزہ کی حالت کوئی اس سے گالی گلوج کرے لڑنے پر آمادہ ہوجائے تو صاف کہہ دے کہ میں روزے سے ہوں، روزہ دار خود کو روزہ کی حالت میں بدزبانی، فحش

ولایعنی باتوں سے دور رہے اور اپنی زبان کی حفاظت کرے۔ اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو ایسے آدمی کے روزے کی کوئی حاجت نہیں ہے جو اپنی زبان پر قابو نہ رکھ سکے'' من لم يدع قول الزور والعمل به فليس لله حاجة في أن يدع طعامه وشرابه''(رواہ البخاری) جوشخص جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑے ایسے شخص کے روزے کی اللہ کو کوئی حاجت نہیں ہے۔

لہذا روزہ دار کو اپنے اعمال کے ضائع ہونے سے بچانا چاہئے اور زبان کی حفاظت اور اسے غیبت، دروغ گوئی اور چغلی جیسے مذموم افعال سے محفوظ رکھنا چاہئے، نیز دیگر اعضاء وجوارح سے بھی کوئی خلاف شرع کام سے بچنا چاہئے۔ نماز کی پابندی کرے اور اس سلسلے میں غفلت سے بچے کیونکہ نماز سے غفلت برتنے پر''ویل'' کی وعید آئی ہے تو اس کا چھوڑ دینا تو اور بھی مذموم اور ہولناک ہے بلکہ اسلام کا سب سے مؤکد اور عظیم المرتبت رکن نماز ہے لہذا جوشخص روزہ کا تو اہتمام کرے مگر نماز سے غفلت برتے اس کا روزہ بارگاہ رب العزت میں شرف قبولیت نہیں پائے گا جیسا کہ علامہ ابن عثیمین رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ ہے۔(دیکھئے فتویٰ الصیام)

افطار کے وقت کے مسنون اعمال:

افطار کے وقت فضول باتوں میں وقت ضائع کرنے کے بجائے ذکر ودعاء میں مصروف رہنا چاہئے اور بہتر یہ ہے کہ تر کھجوروں سے افطار کرے اگر یہ میسر نہ ہوں تو سوکھی کھجوروں سے اور وہ بھی نہ ملیں تو چند گھونٹ پانی پی لے۔'' عن أنس رضي الله عنه قال: كان رسول الله يفطر قبل أن يصلي على رطبات، فإن لم تكن رطبات فتميرات فإن لم تكن تميرات حسا حسوان من ماء. (رواہ ابوداؤد والترمذی) انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز سے قبل چند تر کھجوروں پر افطار کرتے تھے اگر وہ میسر نہ ہوتیں تو سوکھی کھجوروں پر اور اگر وہ بھی نہ پاتے تو چند گھونٹ پانی پیتے۔

روزہ افطار کرنے میں دیری نہ کی جائے بلکہ جب دن غروب ہو جائے تو فوراً روزہ افطار کردے احتیاط کے لئے چند منٹ کی تاخیر یہ خلاف سنت ہے'' وعن أبى ابراهيم عبد الله بن أبى أوفى رضى الله عنهما قال سرنا مع رسول الله ﷺ وهو صائم فلما غربت الشمس قال لبعض القوم: "يا فلان انزل فاجدح لنا، فقال: يا رسول الله لو أمسيت؟ قال: " انزل فاجدح لنا" قال: إن عليك نهاراً قال: " انزل فاجدح لنا، قال: فنزل فجدح لهم نشرب رسول الله وثم قال: "إذا رأيتم الليل قد أقبل من ههنا، فقد أفطر الصائم" و أشار بيده قبل المشرق. متفق علیہ

ابوابراہیم عبداللہ بن أبي أوفیٰ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر پر نکلے اور آپ روزے سے تھے تو جب سورج غروب ہو گیا تو اپنے ساتھ کے لوگوں میں سے ایک آدمی سے کہا: اے فلاں اپنی سواری سے اترو اور ہمارے لئے ستو گھولو، اس نے کہا: اے اللہ کے رسول آپ تھوڑی اور شام کر لیتے، آپ ﷺ نے فرمایا: اے فلاں! اترو اور ہمارے لئے ستو گھولو، اس آدمی نے جواب دیا کہ ابھی دن ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اترو اور ستو گھولو، اس نے اتر کر ستو گھول دیا، آپ نے نوش فرمایا، پھر فرمایا جب تم رات ادھر سے طلوع ہوتی دیکھو تو روزہ دار نے روزہ افطار فرمالیا اور آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے مشرق کی جانب اشارہ فرمایا افطار کے بعد نماز کے لئے جائے افطار میں اس قدر مصروف نہ ہو جائے کہ فرض نماز باجماعت ادا نہ کر سکے، بلکہ نماز باجماعت ادا کرنے کا اہتمام کرے۔

روزے کا اجر وثواب:

ابتداء میں آپ جان چکے ہیں کہ روزے کا اجر وثواب اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ذیل میں رسول اکرم ﷺ کی کچھ بشارتیں پیش خدمت ہیں تاکہ یہ ہماری ہمت کو جلا بخشنے کا کام دیں!'' وعن أبی سعید الخدری رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ "ما من عبد یصوم یوماً في سبیل الله إلا باعدالله بذلك الیوم وجهه عن النار سبعین خریفا."متفق علیہ

جو بندہ بھی اللہ کے لئے ایک دن روزہ رکھتا ہے اس کے عوض اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے چہرے کو'' آگ'' ستر سال دور کر دیتا ہے۔

وعن أبی هریرة رضی الله عنه عن النبی ﷺ قال: " من صام رمضان إیمانا و احتسابا غفرله ما تقدم من ذنبه. متفق علیہ۔ جس نے ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے اس کے پچھلے گناہ معاف ہو گئے۔اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سبھی کو رمضان کے روزے رکھنے کی توفیق بخشے۔آمین

روزہ داروں کو بعض نصیحتیں:

☆ روزے کا مقصد دلوں میں اللہ کا خوف اور تقویٰ پیدا کرنا ہے جب ہم نے اپنے آپ کو اللہ کی اطاعت و بندگی پر ثابت قدم رکھنے کی ریاض کر لی تو اس کی اطاعت و بندگی پر کاربند رہنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ایسا نہ ہو کہ دھیرے دھیرے ہم اپنی یہ شاندار سپرٹ کھودیں اور پھر سے غفلت و بدحالی کا شکار ہو جائیں، اللہ ہمیں غفلت سے بچائے،آمین۔

☆ بعض مسلمان بھائی رمضان میں سگریٹ نوشی، تمبا کو نوشی اور دیگر اعمال قبیحہ سے رکتے ہیں اور رمضان کے مہینہ میں ان اعمال کو انجام دینے سے پرہیز کرتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے عزم کو استحکام دے اور اس بابرکت مہینہ میں ان اعمال کو ترک کرنا ان کے لئے باعث ہدایت اور ان عادات سے بچنے کا ذریعہ بنائے اور انہیں اس بات کی توفیق دے کہ وہ اس سے باز آجائیں۔

☆ تراویح بھی اس ماہ کی ایک بہت بافضیلت عبادت ہے رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:'' من قام رمضان إیمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه'' جو شخص رمضان میں ایمان کے ساتھ ثواب کی امید میں راتوں کا قیام کرے گا اس کے پچھلے گناہ اللہ معاف فرمادے گا۔لہذا اگر اس عبادت کو کسی امام کے پیچھے ادا کرتا ہے تو دو رچار رکعت کے بعد بیچ سے نہ لوٹ جائے بلکہ امام کے ساتھ مکمل قیام کرے، کیونکہ ایسی صورت میں اسے پوری رات کے قیام کا ثواب ملے گا۔لہذا بیچ سے واپس لوٹ کر اپنے آپ کو اس اجر عظیم سے محروم نہ کرے۔

☆ بعض خواتین اس مہینے میں کھانے بنانے میں اپنا بہت سارا قیمتی وقت مطبخ میں گذارتی ہیں انہیں بھی اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا عطا کردہ یہ بہترین موقع صرف مطبخ کی نذر نہ ہو جائے بلکہ ذکر و تلاوت اور نفل نمازوں میں وغیرہ کے لئے بھی وقت نکالیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سبھی کو اس بابرکت مہینے میں زیادہ سے زیادہ کار خیر کی توفیق بخشے، ہمارے روزوں کو قبول فرمائے، گناہوں سے درگذر فرمائے، اور جنت الفردوس کا مستحق بنائے، آمین۔

☆☆☆

حیض ونفاس کے احکام ومسائل

کتاب وسنت کی روشنی میں

عبدالولی عبدالقوی السّلفی
مکتب دعوۃ توعیۃ الجالیت سعودی عرب

حیض کی لغوی تعریف:

حیض کے لغوی معنی ''سیلان''یعنی بہنے کے ہیں۔

حیض کی اصطلاحی تعریف:

''حیض سے مراد وہ فطری خون ہے جو صحت مند عورت کو بلوغت کے بعد مخصوص ایام میں رحم سے خارج ہوتا ہے۔'' (الاقناع للحجاوی ج۱/ ۹۹)

حیض کی عمر:

اس مسئلہ میں فقہاء کے مابین غایت درجہ اختلاف ہے کہ حیض کی عمر کیا ہے اور یہ کہ اس سے پہلے یا اس کے بعد آنے والا خون، خون حیض شمار نہیں ہوگا بلکہ فاسد خون شمار کیا جائے گا۔

چنانچہ احناف کے نزدیک حیض کی عمر نو سال ہے جب لڑکی نو سال کی عمر کو پہنچ جائے اور اسے خون آئے تو وہ خون حیض شمار ہوگا، اس سے پہلے آنے والا خون، خون حیض شمار نہیں ہوگا۔ (دیکھئے: بدائع الصنائع ۱/ ۱۵۵)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور بعض دیگر فقہاء کا خیال ہے کہ حیض کی کم سے کم عمر کے لئے کوئی حد نہیں ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''حیض کی کم یا زیادہ عمر کی کوئی حد نہیں ہے، چنانچہ جب عورت خون حیض دیکھے تو وہ حائضہ ہے، اگر چہ اس کی عمر نو سال سے کم یا پچاس سال سے زیادہ ہو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے احکام حیض کو خون حیض کے وجود سے وابستہ رکھا ہے اور اللہ و رسول نے اس کے لئے کسی متعین عمر کی تحدید نہیں کی ہے، تو خون حیض کے وجود ہی کی جانب رجوع ضروری ہے جس سے احکام حیض وابستہ ہیں اور کسی متعین عمر کے ساتھ اس کی تحدید کے لئے قرآن وحدیث کے دلیل کی ضرورت ہے جب کہ اس بارے میں قرآن وحدیث میں کوئی دلیل نہیں ہے۔'' (مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ۱۹/ ۲۴۰)

اس سلسلہ میں درست بات یہی ہے کہ حیض کے لئے کسی عمر کی تحدید نہیں ہے، کیوں کہ کتاب وسنت میں عمر حیض کی تحدید کی بابت کوئی دلیل وارد نہیں ہوئی ہے۔

مدت حیض:

فقہاء کے مابین حیض کی کم سے کم یا زیادہ سے زیادہ مدت کے بارے میں اختلاف ہے، ذیل میں بعض اقوال نقل کئے

جاتے ہیں۔

چنانچہ حنابلہ اور شوافع کے نزدیک حیض کی اقل مدت ایک دن ایک رات اور اکثر پندرہ دن ہے۔ ملاحظہ ہو: (المغنی ۱/ ۳۸۸، الکافی ج۱/۱۶۳، الأم ۱/۱۴۲، متن ابی الشجاع ۱/ ۵۱، کفایۃ الاخیار ج۱/ ۱۱۵)

احناف کے نزدیک حیض کی اقل مدت تین دن تین رات اور اکثر مدت دس دن ہے۔ ملاحظ ہو: (الہدایۃ ۱/ ۳۲، المبسوط ۲/ ۱۴۰)

مالکیہ کے نزدیک حیض کی کوئی مدت محدود نہیں ہے۔ یہی قول راجح ہے۔ ملاحظہ ہو: (بدایۃ المجتہد ۱/ ۷۷، اشرف المسالک ۱/ ۲۶)

شیخ الاسلام ان تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اللہ نے حیض سے متعلق کتاب وسنت میں متعدد احکام وابستہ کئے ہیں اور حیض کی کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ مدت یا دوحیضوں کے بیچ پاکی کی مدت کی تحدید نہیں کی ہے، جب کہ امت کو عمومی طور پر اس سے سابقہ پڑتا ہے اور عورتیں اس کی ضرورت مند بھی ہوتی ہیں، چنانچہ جس نے اس بارے میں کوئی حد مقرر کی ہے اس نے کتاب وسنت کی خلاف ورزی کی ہے۔'' (مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ۱۹/ ۲۳۷)

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

''اللہ اور اس کے رسول اور صحابہ کرام سے اقل حیض کی تحدید کسی مدت کے ساتھ قطعاً ثابت نہیں ہے اور قیاس میں بھی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اس کی تحدید کا تقاضا کرتی ہو''۔ (اعلام الموقعین ج۱/ ۲۹۷)

حاملہ کا حیض:

اہل علم کے درمیان اختلاف ہے کہ حاملہ حائضہ ہوتی ہے یا نہیں؟

علامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ اس مسئلہ کی بابت رقمطراز ہیں:

بیشتر ایسا ہی ہے کہ عورت جب حاملہ ہوتی ہے تو اس سے خون بند ہوجاتا ہے، امام احمد رحمہ اللہ نے کہا: ''عورتیں اپنے حمل کو خون حیض کے بند ہوجانے سے پہچانتی ہیں'' چنانچہ اگر حاملہ عورت خون دیکھے اور یہ ولادت سے چندروز پہلے ہو، مثلاً دو دن یا تین دن پہلے اور اس کے ساتھ دردزہ بھی ہو، تو وہ نفاس ہے اور یہ خون ولادت سے زیادہ دن پہلے نظر آئے یا ولادت سے چندروز پہلے نظر آئے لیکن اس کے ساتھ دردزہ نہ ہو تو یہ خونِ نفاس نہیں ہے، لیکن کیا یہ خون، خون حیض شمار کیا جائے اور اس کے لئے حیض کے احکام ثابت ہوں گے یا خون فاسد شمار کیا جائے گا اور اس کے لئے حیض کے احکام ثابت نہیں ہوں گے۔ اس مسئلہ میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے۔

درست بات یہ ہے کہ یہ حیض شمار ہوگا جب حیض کی عادت کے مطابق آیا ہو کیوں کہ عورت کو جو خون آتا ہے اس میں

اصل یہ ہے کہ وہ حیض ہے جب کوئی ایسا سبب نہ ہو جو اس کے حیض ہونے سے مانع ہو، اور کتاب وسنت میں کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جو حاملہ (سے نکلنے والے خون کے) خون حیض ہونے میں مانع ہو۔

امام مالک اور شافعی رحمہما اللہ کا یہی مذہب ہے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

چنانچہ حاملہ سے خارج ہونے والے خون کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: وہ قسم جس کے حیض ہونے کا حکم لگایا جائے گا یہ وہ خون ہے جو حاملہ ہونے کے بعد ویسا ہی جاری رہا جس طرح حمل سے پہلے جاری تھا، کیوں کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حمل نے اس پر کچھ اثر نہیں ڈالا، تو یہ خون حیض شمار ہوگا۔

دوسری قسم: وہ خون جو حاملہ سے کسی حادثہ یا کسی (وزنی) چیز کے اٹھانے یا کسی چیز سے گرجانے یا ان جیسی وجہوں کی بناء پر اچانک رونما ہوا، تو یہ خون، خونِ حیض نہیں ہے، یہ کسی رگ کا خون ہے، یہ خون اسے روزہ ونماز سے مانع نہ ہوگا اور یہ عورت پاک عورتوں کے حکم میں ہوگی۔ (رسالۃ فی الدماء الطبیعیۃ للنساء ص:۱۴، فتاویٰ ارکان الاسلام ص:۳۵۳)

بحالت حیض کون سے کام حرام ہیں:

نماز:

بحالت حیض نماز حرام ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دو اور جب ختم ہو جائے تو غسل کرو اور نماز پڑھو۔'' (بخاری: ح ۳۲۰، مسلم: ح ۳۳۳)

حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہ حدیث دلیل ہے کہ حائضہ عورت بحالت حیض نمازیں چھوڑ دے گی.... امت مسلمہ کا اس بات پر اتفاق ہے اور جس بات پر مسلمانوں کا اتفاق ہو وہی حق ہے۔'' (التمہید ۲۲/ ۱۰۷)

حائضہ پاک ہوکر فوت شدہ نمازوں کی قضا نہیں کرے گی:

معاذہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ کسی خاتون نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: جب ہم میں سے کوئی عورت حیض سے پاک ہو، تو کیا (فوت شدہ) نمازوں کی قضا کرے؟ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کیا تو حروری (خارجی) ہے، ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ہوتیں اور حیض شروع ہو جاتا، مگر ہمیں نماز کی قضا کرنے کا حکم نہیں دیا جاتا تھا۔ (بخاری: ۳۲۱، مسلم: ۳۳۵)

علامہ ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''عہد نبوی میں رسول اللہ ﷺ کی بیویاں جب حائضہ ہوتی تھیں، تو پاک ہوکر نمازوں کی قضا نہیں کرتی تھیں، یا تو آپ ﷺ نے ان کے اس عمل پر خاموشی اختیار کی ہوگی یا انھیں ایسا کرنے کا حکم دیا ہوگا، کیوں کہ اس جیسی چیز آپ ﷺ پر پوشیدہ نہیں رہ سکتی، اگر ایام حیض کی چھوٹی نمازوں کی قضا ان پر واجب ہوتی، تو آپ ﷺ اس سے بے اعتنائی نہ برتتے اور اس جیسی چیز سے غافل نہ ہوتے، کیوں کہ آپ ﷺ نماز کے معاملہ کا غایت درجہ اہتمام کیا کرتے تھے۔'' (شرح ابن رجب للبخاری: ج ۲/ ۱۳۳)

نماز کا وقت ہونے کے بعد حائضہ ہو جانا:

اگر عورت نماز کا وقت ہونے کے بعد ادائیگی نماز سے پہلے حائضہ ہو جائے تو کیا اس پر اس نماز کی قضا لازم ہوگی؟

اس مسئلہ میں علماء کے درمیان اختلاف ہے بعض کا کہنا ہے کہ اس عورت پر نماز کی قضا واجب نہیں ہے، کیوں کہ اس نے کوئی کوتاہی نہیں کی، کیوں کہ نماز اس کے آخر وقت تک موخر کرنا اس کے لئے جائز تھا، اور بعض دوسرے علماء کی رائے ہے کہ اگر عورت کو اس نماز کے وقت سے جس میں وہ حائضہ ہوئی ہے ایک رکعت ادا کرنے کا وقت مل گیا تو پاک ہونے کے بعد اس پر اس نماز کی قضاء لازم ہوگی، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''من أدرك ركعة من الصلاة فقد أدرك الصلاة'' جس نے نماز کی ایک رکعت پالی اس نے نماز پالی۔ (بخاری: ۵۸۰، مسلم: ۶۰۷)

مثلاً کوئی عورت نماز ظہر کا وقت ختم ہونے سے اتنی دیر پہلے حائضہ ہوئی کہ ایک رکعت پڑھ سکتی تھی، تو پاک ہو کر اسے نماز ظہر کی قضا کرنی ہوگی، کیوں کہ حائضہ ہونے سے اس نماز کے وقت سے اس نے ایک رکعت کا وقت پالیا۔ یہی قول راجح ہے اور احتیاط کا تقاضا یہی ہے۔

نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے پاک ہو جانا:

اگر کوئی عورت نماز کا وقت ختم ہونے سے اتنی دیر پہلے پاک ہو جائے کہ وہ ایک رکعت نماز ادا کر سکتی تھی تو غسل کرنے کے بعد اس پر اس نماز کی قضاء لازم ہوگی، کیوں کہ اس نے نماز کے وقت سے اتنا حصہ پالیا جو ایک رکعت کی ادائیگی کے لئے کافی ہے۔

علامہ محمد صالح العثیمین رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

اگر عورت نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے حیض سے پاک ہو جائے تو اس پر اس نماز کی قضا واجب ہے، مثلاً اگر طلوع آفتاب سے صرف اتنا پہلے وہ حیض سے پاک ہو کہ ایک رکعت پڑھ سکتی ہو، تو اس پر (غسل کے بعد) نماز فجر کی قضا واجب ہے، اسی طرح اگر غروب آفتاب سے صرف اتنا پہلے وہ حیض سے پاک ہو کہ ایک رکعت پڑھ سکتی ہو تو اس پر عصر کی قضا واجب ہے اور اسی طرح اگر نصف رات مکمل ہونے سے صرف اتنا پہلے وہ حیض سے پاک ہو کہ ایک رکعت پڑھ سکتی ہو تو اس پر نماز عشاء کی قضا واجب ہے اور اگر نصف رات کے بعد پاک ہو تو اس پر عشاء کی نماز واجب نہیں، البتہ وقت ہو جانے کے بعد فجر کی نماز پڑھ لینا واجب ہے۔

کیا حائضہ کے لئے مستحب ہے کہ ہر نماز کے وقت باوضو ہو کر اپنی جائے نماز میں بیٹھے اور نماز کی مقدار میں اللہ کا ذکر کرے اور اس کی تسبیح بیان کرے؟

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''حائضہ کے لئے یہ درست نہیں ہے کہ نماز یا نماز کے اوقات کے علاوہ میں وہ وضو کرے اور (نماز کی مقدار میں) ذکر و تسبیح کرے۔''

اگر حائضہ نماز کے وقت عبادت سمجھ کر وضو کرے حالانکہ وہ جانتی ہو کہ یہ درست نہیں ہے، تو وہ اپنے اس عمل کی وجہ سے گناہ گار ہوگی، کیوں کہ وہ عبادت کے ساتھ کھیل کود کر رہی ہے اور بغیر عبادت کی نیت کے اگر جسم پر پانی ڈالی تو اس سے بالاتفاق گناہ گار نہیں ہوگی، ویسے ہی جیسے کہ اگر حائضہ روزہ کی نیت سے کھانے پینے سے رک جائے تو وہ گناہ گار ہوگی اور اگر بغیر روزہ کی نیت کے ویسے ہی نہ کھائے تو گناہ گار نہ ہوگی''۔(المجموع ۳/۳۵۴-۳۵۶)

ابن ابی شیبۃ رحمہ اللہ نے اپنی مصنف میں روایت کیا کہ ابوقلابۃ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ حائضہ اذان سن کر وضو کرے اور اللہ کی بڑائی وتسبیح بیان کرے، تو انہوں نے کہا: کہ ہم نے اس کی بابت دریافت کیا تو ہمیں اس کی کوئی اصل نہ ملی۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ج۲/۱۲۷ح:۷۲۶۷)

لیکن کوئی اس کا مفہوم یہ نہ سمجھے کہ ہم حائضہ کو ذکر وتسبیح سے منع کر رہے ہیں، اللہ کا ذکر تو ہمہ وقت مستحب ہے، لیکن اس مخصوص کیفیت سے ہر نماز کے وقت باوضو ہوکر جائے نماز میں ذکر وتسبیح کے لئے بیٹھنا بدعت ہے کیوں کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام کے زمانہ سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے، جیسا کہ مذکورہ بالا سطور میں گزرا۔

اس کے استحباب کے قائلین ایک حدیث سے استدلال کرتے ہیں جسے ہم ذیل میں ذکر کرتے ہیں، لیکن وہ حدیث بالاتفاق ضعیف، لائق عمل نہیں ہے:

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے عباس سے کچھ اونٹوں کا وعدہ فرمایا تھا، تو عباس نے مجھے نبی ﷺ کے پاس بھیجا، میں نے نبی ﷺ کے پاس رات گزاری اور اس رات آپ ﷺ کی باری میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کے پاس تھی، نبی ﷺ تھوڑا ہی سوئے، میں اسی کو تکیہ بنایا جسے نبی ﷺ نے تکیہ بنایا تھا، پھر رسول اللہ ﷺ اٹھے اور آپ نے مکمل طریقہ سے وضو کیا اور بہت کم پانی بہایا، پھر آپ نے کھڑے ہوکر نماز شروع کی، میمونہ رضی اللہ عنہا اس وقت حائضہ تھیں وہ بھی اٹھیں اور انہوں نے بھی وضو کیا، پھر آپ ﷺ کے پیچھے بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرتی رہیں........(مسند الشامیین ج۱/۱۴۷ح:۲۳۴۷۱، المعجم الکبیر للطبرانی ج:۱۱/۱۳۵،المعجم الأوسط ج:۷/۱۸۶،صحیح ابن خزیمہ ج:۲/۱۴۹ح:۱۰۹۳)

یہ حدیث ضعیف ہے، کیوں کہ اس حدیث کی سند میں ایوب بن سوید الرملی راوی ہیں جن پر محدثین نے کلام کیا ہے، ہم ذیل میں بعض کا ذکر کرتے ہیں:

ابن عدی نے کہا: وہ احادیث چراتے تھے، اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے کہا: وہ میرے نزدیک احادیث کے گڑھنے والوں میں سے تھے۔(میزان الاعتدال فی نقد الرجال ج:۶/۳۴۳،المغنی فی الضعفاء ج:۲/۶۳۵)

امام احمد رحمہ اللہ نے کہا: وہ ضعیف ہے، یحیٰ بن معین نے کہا: قابل اعتبار نہیں ہیں، وہ احادیث چراتے تھے۔(الکامل فی ضعفاء الرجال ج:۱/۳۵۹) امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا: محدثین ان کے بارے میں کلام کرتے ہیں۔ امام نسائی رحمہ اللہ نے کہا: ثقہ نہیں ہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے کہا: عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے ان کی احادیث کو چھوڑ دیا تھا۔ (تہذیب التہذیب ج۱/۳۵۴)

☆☆☆

کیا برکتِ شادی ہے....!

عبدالسمیع محمد ہارون انصاری سلفی
مدھوبنی، بہار

شادی بیاہ کا تصور ہر مذہب وشریعت اور تہذیب میں ہے۔اسلام نے بھی نکاح اور شادی کی تعلیم دی ہے،مگر جیسا کہ معلوم ہے اسلام اپنے تمام اصول وتعلیمات میں دوسروں سے ممتاز ہے۔نکاح اور شادی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔یہاں چند سطور میں اس امتیاز کا بیان نہ مقصود ہے اور نہ ممکن ہے کہ ہم یہاں شادی ونکاح کے چند برکات کا بیان کرتے ہیں جو قرآن وحدیث میں بیان ہے۔ہر چند کہ نکاح وشادی کے برکات اور فوائد وثمرات کئی ایک ہیں۔

قرآن کریم میں اللہ نے فرمایا کہ:''تم میں سے جو لوگ مجرّد ہوں اور تمہارے لونڈی غلاموں میں سے جو صالح ہوں ان کے نکاح کردو اگر وہ غریب ہوں تو اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کردے گا اللہ بڑی وسعت والا اور علیم ہے۔''(۳۲/۲۴)

اس آیت میں اللہ عزوجل نے شادی نکاح کی ایک عظیم برکت کا مشروط وعدہ کیا ہے اور وہ یہ کہ مسلمان اپنا یا اپنے بال بچوں کا نکاح صالح اقدار اور دینداری کو ترجیح دیتے ہوئے کرتے ہیں،اس ترجیح میں صاحب مال ودولت کو نظر انداز کردیتے ہیں تو اللہ دین و صالح اقدار کی بنیاد پر ہونے والی شادی میں اپنے فضل کی رحمتیں اور معاشی خوشحالی کی برسات کرے گا۔جیسا کہ قدرے دوسرے انداز میں یہی بات حدیث میں بھی ہے کہ عورتوں سے نکاح مال،حسب اور حسن کی بنیاد پر(عموماً) کیا جاتا ہے تم دین کو ترجیح دے کر کامیاب ہو جاؤ۔یعنی دین کی بنیاد پر منعقد ہونے والا نکاح کامیاب ہے۔ایسے جوڑے اللہ کی نظر میں کامیاب ہیں اور کامیابی ان کی ازدواجی زندگی کا مقدر ہے۔یہاں یاد رہے کہ کامیابی کا ہمارے اور اسلام کے تصور میں جو وسیع وبلیغ فرق ہے اسے بھی ملحوظ رکھنا چاہئے۔اگر اسلام دین کی بنیاد پر نکاح کرنے والے جوڑے کی کامیابی کو نوید سناتا ہے تو بلاشبہ کامیابی ہمہ جہت ہے۔وسیع وعمیم اور دین ودنیا سب کو محیط ہے۔اب عملی دنیا میں سرسری طور پر اس کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات سچ ثابت ہوتی ہے۔نبی ﷺ کے دور خیرالقرون میں ایک غریب مگر بڑے ہی نیک انصاری صحابی نبی ﷺ کے پاس گئے کہ میرے نکاح کا نظم کرا دیجئے۔(واقعہ بہت لمبا ہے مختصراً بیان ہے) آپ ﷺ نے انہیں فرمایا کہ فلاں صحابی کے پاس جاؤ اور کہو کہ اللہ کے نبی ﷺ نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے آپ اپنی لڑکی کا نکاح میرے ساتھ کردیں لڑکی کے والدین نے اس کی ظاہری حالت اور معاشی طور پر ازحد کمزور ہونے کے سبب نکاح کرنے سے انکار کردیا۔وہ صحابی لوٹ ہی رہے تھے کہ لڑکی دریچے سے سارا منظر دیکھ اور سن رہی تھی،دوڑتی ہوئی آئی اور اپنے والدین کو سمجھاتی ہے کہ آپ لوگوں کو احساس بھی ہے کہ آپ کن کا پیغام رد کر رہے ہیں۔اللہ کے واسطے انہیں بلائیے اور میرا نکاح کردیجئے۔اللہ کے رسول ﷺ نے ایسا سوچا ہے تو اس میں لازماً برکت اور خیر ہی ہوگا۔والدین کو احساس ہوا،اس صحابی کو بلایا گیا،نکاح کرایا گیا۔اللہ نے اس نیک جوڑے کو—— جو شادی سے قبل ازحد مفلس تھے—— مدینے کا سب سے خوشحال گھرانہ بنا دیا۔

ایک اور بات واضح ہے کہ زوجین جب نیک اور دیندار ہوں گے اور وہ جس طرح سے ایک دوسرے کے حقوق کا عملاً خیال کرکے اپنی ازدواجی زندگی کو جنت نشان بنائیں گے یہ دوسرے ان لوگوں سے ممکن نہیں ہے جو بڑے امیر ہیں یا حسب ونسب والے ہیں

یا پھر حسین وجمیل ہیں۔ نیک جوڑے بلاشبہ ایک دوسرے کے جذبات کے قدرداں ہوں گے۔ ایثار ومواساۃ کے پیکر ہوں گے۔ اور سب سے بڑی بات کہ اپنی ذمہ داریوں کی بابت اللہ کے یہاں جواب دہ ہونے کے یقین کے سبب سراپا نیک حرکت وعمل ہوں گے۔

شادی ونکاح کی ایک عظیم برکت یہ ہے کہ اس سے زوجین معجزاتی طور پر بے پناہ محبت والفت پیدا ہوتی ہے۔ دو ایسے اجنبی افراد جن میں سے کسی کا ایک دوسرے سے نکاح سے قبل عموماً کوئی واسطہ نہیں ہوتا نکاح کے بعد کی حالت بالکل بدل جاتی ہے۔ قرآن میں ہے کہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ انسانوں ہی میں اللہ دو جوڑے پیدا کرتا ہے جو ایک دوسرے سے قلبی سکون و راحت پاتے ہیں۔ ان دونوں کے بیچ اللہ مودت ورحمت اور محبت والفت کو بھر دیتا ہے اس میں اللہ کی نشانی ہے۔ اسی کو حدیث میں یوں فرمایا گیا کہ نکاح کی بنیاد پر دو جوڑوں کے بیچ ہونے والی محبت کی کوئی مثال نہیں ہے۔ اور واقعہ یہی ہے کہ زوجین کے دل میں ایک دوسرے کے تئیں محبت وفداکاری، الفت وجاں نثاری کے جو جذبات ہیں انہیں ہر کوئی جب دیکھتا اور محسوس کرتا ہے تو اسے شادی ونکاح کی اس برکت کا یقین ہوتا ہے۔ نکاح کی اس عظیم برکت کا مشاہدہ کیجئے۔

ایک حدیث صحیح میں ہے کہ بندہ جب شادی کر لیتا ہے تو وہ آدھا دین مکمل کر لیتا ہے تو اسے باقی نصف دین کے بارے میں ڈرتے رہنا چاہئے۔ شراح حدیث نے لکھا ہے کہ دین تو متعدد تعلیمات کے مجموعے کا نام ہے مگر یہاں تو صرف نکاح کو آدھا دین قرار دیا گیا ہے اس کی وجہ؟ جواب دیا گیا کہ اس کی کئی وجہوں میں ایک خاص وجہ یہ ہے کہ معصیت عموماً فرج اور بطن کی راہ سے ہوتی ہے اور شرعی نکاح کی یہ برکت ربانی ہے کہ ایک طرف یہ نکاح اسے پاکدامن بناتا ہے تو دوسری طرف اسے اللہ کے فضل سے مالا مال کر دیتا ہے۔ اس طرح جب معصیت کے دو سب سے بڑے سرچشمہ پر بندش لگ جاتی ہے تو یہیں سے سمجھ لیجئے کہ پھر وہ نکاح کیوں کر نہیں اور کس طرح نہیں آدھا دین قرار پائے گا۔ پھر نکاح کے بعد کی جو ہمہ جہت ذمہ داریاں ہیں بلاشبہہ ان سب کی صحیح ادائیگی کا جو مقام اور فضیلت ہے اس سے بھی اس نکتے کی وضاحت ہوتی ہے۔ گویا یہ بھی نکاح کی ایک برکت ہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا تین افراد کی مدد اللہ نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے ان میں سے ایک وہ نکاح کرنے والا ہے جو پاکدامن زندگی گذارنے کی نیت سے نکاح کرتا ہے۔ (ثلاثة حق علی الله عونهم.....الحدیث) غور کیجئے وہ نکاح اور شادی جو نیک نیتی سے کی جاتی ہے، پاکدامن زندگی گذارنے کی خاطر کی جاتی ہے ایسے شخص پر اللہ کی وہ مدد نازل ہوتی ہے جسے اللہ نے خود اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ شادی کی یہ کتنی عظیم برکت ہے کہ اللہ نکاح کے بعد زندگی میں اس کا مددگار اور ناصر وحامی از خود اور لازماً بن جاتا ہے۔

نکاح انبیاء کی سنت ہے۔ یہی اس کی عظمت اور خیر کے لئے کافی ہے مگر واقعۃً جب کتاب وسنت میں اس بابت اس کی عظمت و برکت کا علم ہوتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی عبادت سے کم نہیں ہے اور جیسا کہ علی میاں ندویؒ نے ایک سلف صالحؒ کے حوالے سے بڑے مفصل انداز میں بیان کیا ہے کہ نکاح دوسری تمام عبادتوں کے مقابلے میں سب سے طویل اور منفرد عبادت ہے ان کا بیان ہے کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور جہاد وغیرہ سب چند محدود اوقات وایام تک محدود عبادات ہیں مگر نکاح وہ عبادت ہے جو مستقل عظیم عبادت ہے اور طویل ومنفرد بھی ہے نکاح کے بعد یہاں کی جانے والی جائز محنت عبادت ہے، بیوی سے اظہار محبت عبادت ہے، ان سے باتیں کرنا، ان کے منہ میں لقمہ رکھنا یہاں تک کہ ان سے نفسانی خواہش کی تکمیل بھی نیکی اور عبادت ہے۔ اب غور کریں کہ وہ نکاح جو شرعی طور پر ادا ہو اس کی یہ اور اس طرح کی کتنی برکتیں ہیں جن سے بلاشبہ دین اور دنیا کی کتنی بھلائیاں وابستہ ہو جاتی ہیں۔ اللہ ہماری شادیوں کو شرعی بنا کر ان برکات سے دارین میں سرفراز کرے، آمین۔

☆☆☆

وہابی تحریک کی سرگرمیاں

(قسط:٦)

صدیق احمد نفیس احمد
فاضل جامعہ سلفیہ، بنارس

وہابی تحریک کی سرگرمیوں کوعموماً دو ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے:

(١) ما قبل الهجرة (٢) ما بعد الهجرة.

ہجرت سے پہلے کی تمام تر سرگرمیاں اصلاحی تھیں۔اس عہد میں تحریک سنت نبوی کا احیاء غیر مشروع رسم ورواج کا خاتمہ اور اسلام کی حقیقی اور سچی تصویر پیش کرنے میں مشغول رہی اور ساتھ ہی دعوت جہاد کی تبلیغ ہوتی رہی یعنی ہجرت سے قبل اصلاح اور تبلیغ دین کا پہلو غالب رہا لیکن ہجرت کے بعد جہادی مشن کا غلبہ ہوگیا جسے میں چند نکات کے تحت بیان کرنا چاہوں گا۔

دعوت جہاد اور تبلیغی دورے:

سید احمد شہیدؒ نے ہجرت کے بعد سب سے پہلا کام جو انجام دیا وہ لوگوں کو تحریک کے پرچم تلے جمع کرنے اور تحریک کے مقاصد سے لوگوں کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش تھی۔ چنانچہ آغاز ہجرت ہی سے آپ نے اس اہم مقصد پر توجہ دی اور راستے میں جہاں بھی قیام ہوتا وہاں آپ تحریک کے اہداف ومقاصد کو عوام الناس وخواص کے روبرو پیش کرنے اور انھیں جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب دیتے نیز آپ امراء ورؤسا سے خط وکتابت بھی کرتے رہے، قیام حیدرآباد کے دوران آپ نے والی بہاولپور کو ایک خط لکھا جس میں جہاد کی ترغیب دلکش انداز میں پیش کرنے کے بعد انھیں تحریک سے تعاون کرنے کی اپیل کی گئی تھی۔ [1]

پیر کوٹ پہونچ کر آپ نے سید صبغۃ اللہ راشدی سے ملاقات کی جنھیں اس علاقے میں کافی اثر ورسوخ حاصل تھا تین لاکھ سے زائد لوگ ان کے مرید تھے، آپ نے ان سے اس بابت گفتگو کی! مقام ''چھتر'' سے فرمانروائے بلوچستان کو بھی ایک دعوت نامہ بھیجا جب جواب میں تاخیر ہوئی تو مقام ''دشت بے دولت'' سے ایک وفد بلوچستان روانہ کیا۔اس وقت بلوچستان میں قندھاریوں سے جنگ چھڑی ہوئی تھی لھذا محراب خاں نے جواباً تحریر فرمایا کہ'' آپ جس مہم پر جارہے ہیں تشریف لے جائیں قندھاریوں کے ساتھ جنگ کا تصفیہ ہوجانے کے بعد جو کچھ مناسب ہوگا بروئے کار آجائے گا۔ [2]

اس کے بعد بھی برابر خط وکتابت کا سلسلہ جاری رہا اسی طرح مقام ''مشکئی'' پہونچ کر آپ نے حکام غزنی اور کابل کے نام بھی خط لکھے جس میں آپ نے مقصد آمد اور ترغیب جہاد کو صراحتاً ذکر کیا جس کا مضمون یہ تھا۔

''ہم ہندی مسلمانوں نے ہندوستان کے کفرستان سے تنگ آکر جہاد کے ارادے سے ہجرت کی۔مسلمانوں کو جہاد کی دعوت دیتے اور حضرت سید المرسلین کے ملت بیضاء کی تائید پر آمادہ کرتے ہوئے رضائے باری تعالیٰ کے شوق میں لمبی مسافت طے کرکے آپ کی بلاد میں پہونچ گئے ہیں مدعا یہ ہے کہ اس طرح یوسف زئی میں پہونچ جائیں جو پشاور کے حوالی میں ہے

[1] سید احمد شہید ص:۲۸۶ [2] ایضاص:۳۰۶

مروت ودانائی کا لازمہ یہ ہے کہ دل میں کسی قسم کا وسوسہ نہ لائیں ہمارے پہونچنے سے پہلے اجازت نامہ بھیج دیں تا کہ ہم کھٹکے کے بغیر ان حدود سے منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہو جائیں۔''

دونوں حاکموں کی جانب سے امید افزا جواب آئے غالباً ۱۵ یا ۱۶/نومبر ۱۸۲۶ء کو آپ منزل مقصود پشاور پہونچ گئے اس دوران بہت سے لوگوں نے آپ سے بیعت کی اور آپ نے اس کے علاوہ بہت سے امراء حکام اور سلاطین کے نام مکتوب روانہ کئے اس کے بعد باقاعدہ جہاد کا آغاز کیا۔

بیعت امامت جہاد:

اکوڑہ اور بازار کی لڑائیوں میں اہل سرحد کی حرصِ مال وزر اور خودغرضی ومفاد پرستی سے جو بدنظمی مجاہدین میں پیدا ہوئی اس نے اس حقیقت کو آشکارا کر دیا کہ کسی بھی جماعت، تحریک یا تنظیم کو منظّم رکھنا بغیر امام ورہبر کے ممکن نہیں اگر چہ اکثر خوانین ورؤسا نے آپ کی معیت اختیار کر لی تھی لیکن ان کی باہمی رقابتیں انھیں ایک پلیٹ فارم پر متحد ہونے میں رکاوٹ بن رہی تھیں، کاروبار جہاد کی تنظیم ونسق کے متعلق اکثر علماء وخوانین سے گفتگو ہوئی اور اس کے شرعی اور انتظامی پہلو بھی اجاگر کر دیئے گئے چنانچہ ''پنجتار'' میں علماء وخوانینِ سرحد نے یہ فیصلہ کیا کہ جہاد کے لئے ایک امیر وامام کا انتخاب ضروری ہے اور اس منصب جلیل کے لائق صرف سید صاحب ہیں اس لئے کہ ان میں امامت کی تمام شرطیں موجود ہیں اور اکثر علماء خوانین اور رؤسا کا اتفاق بھی ہے چنانچہ ۱۲/ جمادی الاخری ۱۲۴۲ھ مطابق ۱۱/جنوری ۱۸۲۷ء کو جمعرات کے دن ہنڈ کے تالاب کے کنارے سادات کرام علماء وعظام، مشائخ ذوی الاحترام، امرائے عالی مقام وسائر خواص وعام نے سید صاحب کے ہاتھ پر امامت جہاد کی بیعت کر لی اس سے اگلے روز جمعہ کے خطبے میں سید صاحب کا اسم گرامی شامل ہو گیا ہندوستانی غازی پہلے سے آپ کو امیر المومنین کہتے تھے۔ اہل سرحد نے آپ کو ''سید بادشاہ'' کا لقب دے دیا۔ [۱]

بیعت کی حیثیت:

میں اس عنوان کے تحت سید صاحب کے اختیارات کا خلاصہ پیش کرنا چاہتا ہوں، چنانچہ اس سلسلے میں مہر صاحب فرماتے ہیں کہ امامت کے بعد سید صاحب کو صرف کاروبار جہاد کی تنظیم کے لئے مختار بنایا گیا تھا رؤسا اور خوانین کے عام امور میں ریاست وخانیت سے انھیں کوئی تعلق نہ تھا وہ دعوت کے ذریعہ سے لوگوں میں جہاد کے جذبے کو ابھار سکتے تھے، انھیں دینی واجبات سمجھا سکتے تھے جن جن رئیسوں نے بیعت کی تھی ضرورت کے مطابق ان سے امداد طلب فرما سکتے تھے۔ میدان جنگ میں سب لوگ ان کی تنظیمات قبول کرنے پر مجبور تھے لیکن میدان جنگ سے باہر آتے ہی سب اپنے اپنے حلقوں میں بالکل آزاد تھے۔'' [۲]

یہ تھی بیعت کی حیثیت جو بظاہر ایک بلند پایہ نظام کی بنیاد کے لئے کافی نہیں تھی۔ لیکن اگر آپ تمام ریاستوں کو ختم کر کے ایک ریاست میں تبدیل کرتے تو باہم شورش ویلغار کا سلسلہ شروع ہو جاتا اور اصل مقصد فوت ہو جاتا لہذا اسی پر قناعت کیا گیا۔

---

[۱] ایضاص:۳۱۲ [۲] ایضاص:۳۵۳

دعوت عام:

بیعت امامت کے بعد سید صاحب نے جہاد کے لئے دعوت عام کا انتظام کیا تمام رؤسا، امراء اور ملوک وسلاطین کو باقاعدہ خطوط ارسال کئے بعض کے پاس سفارتیں بھیجیں، ہندوستان کے تمام دوستوں اور محبوں کو بھی خط لکھے۔ یہاں پر دو خط بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں:

''کام کا وقت سر پر آپہنچا......پس ہر راسخ العقیدہ مومن اور ہر اطاعت گزار مسلم کے لئے لازم ہے کہ جس طور پر بھی ممکن ہو فقیر کے پاس پہونچ کر جماعت مجاہدین سے منسلک ہو جائے اگر چہ حق جل وعلا اپنی قدرت کاملہ سے خود اس مقدمے کو منزل اتمام پر پہونچائے گا اس کا اپنا ارشاد ہے:'' كذالك حق علينا نصر المؤمنين ''اور دین محمدی کو اپنے دعوے کے مطابق تمام ادیان پر غلبہ عطا کرے گا لیکن جو شخص اپنی جان اس معرکے میں حاضر کرے گا وہ سعادت جاودانی پائے گا اور جو آج اس مقدمے میں سستی اختیار کرے گا وہ قیامت کے دن افسوس وندامت میں مبتلا رہے گا۔

ایک دوسرا خط جو آپ کے ادبی ذوق کا شاہکار معلوم ہوتا ہے اس میں لکھتے ہیں:

''یہ محمود زمانہ اور یہ مبارک وقت مخلصوں کے اخلاص اور مومنوں کے یقین کے لئے وہی حیثیت رکھتا ہے جو بہار کو گل و بلبل سے تعلق ہے اور برسات کو درختوں یا دوسری نباتات کے تعلق میں حاصل ہوتی ہے۔اہل اخلاص کا اخلاص اور اہل یقین کا یقین عمل میں نمایاں ہونا چاہئے۔ جو پھول موسم بہار میں نہ کھلا اسے کانٹے کے برابر سمجھنا چاہئے جو فصل برسات میں نہ اُگی اس کی دِرو کی امید ہمیشہ کے لئے ختم ہو جانی چاہئے جو درخت فصل ربیع میں سرسبز نہ ہوا اسے ہیزم خشک کی طرح جڑ سے کاٹ ڈالنے کے سوا چارہ کیا ہے۔''[۱]

آپ کی یہ کوشش بار آور ہوئی چنانچہ قبائلیوں نے بیعت جہاد میں سبقت کیا بناء بریں لشکریوں کی تعداد اسی (۸۰) ہزار پہونچ گئی سرداران پشاور کی بیس ہزار فوج اس کے علاوہ تھی جنھوں نے خط کے ذریعہ آپ کی ماتحتی قبول کرلیا تھا مجاہدین کی اس کثیر جمعیت کے ساتھ آپ نے شیدو کی جنگ لڑی، جس میں مسلمانوں کی فتح کو انھیں سرداران پشاور نے شکست میں تبدیل کردیا پر مجاہدین کو ہزیمت اٹھانی پڑی جس کی تفصیل آگے آئے گی اس کے بعد آپ نے بونیر اور سورت کا دورہ کیا جس کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں تھا کہ اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جان ومال کا تعاون حاصل کیا جائے،نتیجۃً بھی خاطر خواہ رہا خود سید صاحب فرماتے ہیں کہ''ہر چند ہر کام میں فاعل مختار صرف خدا کی ذات ہے اور صحیح العقیدہ مومن پر لازم ہے کہ عام کاموں میں رب العباد کے کارسازی پر دل وجان سے یقین رکھے لیکن حکم شرع کی بناپر جمع اسباب کے لئے سعی ضروری ہے، پس حکم شرعی کے مطابق اسلامی لشکروں کی فراہمی کے لئے قدر سعی کی گئی الحمدللہ کہ یہ سعی اتمام کو پہونچی اور مؤمنین افاغنہ میں سے بہت سی قوموں نے جن میں ہر ایک کی تعداد ہزاروں لاکھوں تک پہونچتی ہے اس فقیر کا ساتھ دینے پر اتفاق کرلیا اور عاجز کی اطاعت مان لی۔ [۲]

[۱] حوالہ سابق ص:۳۵۳ تا ۳۵۴ [۲] ایضاص:۳۵۵

''اس کے علاوہ سید صاحب نے مراسلت وسفارت کا ایک جال بچھا دیا تھا اور مملکت سندھ سے سرحد کشمیر تک کوئی ایسا قابل ذکر فرد نہ تھا جس کے کانوں میں اپنی دعوت کو نہ پہونچایا ہو۔ غلام رسول مہر صاحب فرمانروا وسلاطین اور امراء و خوانین کی ایک طویل فہرست پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ سید صاحب کے دعوت نامے کا ایک حصہ ہے اس فہرست میں ایک ہندو راجا ہندو راؤ مختار مہاراجہ گوالیار کا ذکر بھی آتا ہے دوران ہجرت جو آپ کا عقیدت مند ہو گیا تھا۔

ہندوستان کے مختلف علاقوں میں دعوت دین کے واسطے اپنے خاص آدمیوں کو سید صاحب نے مقرر کر دیا تھا جو عقائد و اعمال کی اصلاح کے ساتھ ساتھ تحریک جہاد کے لئے روپئے کی فراہمی کے علاوہ غازیوں کو تیار کرتے تھے گویا کہ آپ نے مقاصد عظمی کی تکمیل کے لئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔

حکومت شرعیہ کا قیام:

ہجرت کے بعد وہابی تحریک کی تابناک اور روشن کارگزاریوں میں حکومت شرعیہ کے قیام کو نمایاں حیثیت حاصل ہے چنانچہ سید صاحب جہاں کہیں بھی پہونچتے لوگوں کا ہجوم آپ سے بیعت کرنے کے لئے حاضر رہتا آپ ان سے احکام شرع کی پابندی اور محرمات سے اجتناب کی تلقین کرتے ہوئے اپنے مریدین میں شامل کر لیتے اور امراء وحکام سے شریعت کے مطابق فیصلے کرنے کی ترغیب دیتے لیکن یہ تمام کوششیں دعوت وتلقین کی حد تک تھیں جس سے حقیقی طور پر احکام شرع کا نفاذ ممکن نہ تھا۔ چنانچہ جب عوام وخواص نے آپ کی ہاتھ پر امامت جہاد کی بیعت کر لی تو قیام ٹھہر کے دوران یہ فیصلہ لیا گیا کہ امامت جہاد کے ساتھ ساتھ سب سے اقامت شریعت کی بیعت لی جائے اور اہل سرحد کے غلط رسم ورواج کی بیخ کنی کی جائے کیونکہ اس کے بغیر جہاد کی جدوجہد غیر موثر ہوگی لہذا سید صاحب نے اس کے تئیں مختلف مقامات کا دورہ کیا پھر یکم شعبان ۱۲۴۴ھ مطابق ۶/فروری ۱۸۲۹ء ایک اجتماع عظیم کا انعقاد ہوا جس میں خوانین واکابرین کے علاوہ دوہزار کے قریب علماء اور اتنے ہی ان کے تلامذہ شریک ہوئے۔ [1]

سب سے پہلے آپ نے جامع اور پراثر تقریر فرمائی پھر فتح خاں پنجتاری کو خصوصی طور پر مخاطب کرتے ہوئے کہا جس نے آپ کو سورت آنے کی دعوت دی تھی کہ ''اگر آپ کو واقعی دین کی خدمت منظور ہے تو پہلے خود شرعی احکام بے کم وکاست قبول کر لیجئے'' [2]

اس کے بعد سید صاحب خود مجمع سے اٹھ گئے علماء آپس میں مشورہ کرتے رہے آخر اس فیصلے پر پہونچے کہ نظام شرعی کا قیام لازم ہے۔ نماز جمعہ کے بعد سب نے سید صاحب کے ہاتھ پر اقامت شریعت کے لئے بیعت کی اور سب نے مہری بیعت نامے آپ کی خدمت میں پیش کر دیئے علماء کے بیعت نامے عربی میں تھے اور خوانین کے فارسی میں۔ [3]

اس کے بعد آپ جس علاقے کی تسخیر کرتے وہاں باقاعدہ طور پر قاضیوں کی تقرری فرماتے عشر اور تحصیل کا نظام قائم کرتے احکام شرع کی خلاف ورزی کرنے والوں کی تادیبی کارروائی کرتے اور تھوڑے ہی عرصہ میں ملک سمہ سے پشاور تک کا علاقہ آپ کی عملداری میں آ گیا اور وہاں شریعت ربانی کی حکمرانی ہوئی۔ ☆☆ (جاری)

---

[1] حوالہ سابق ص:۴۰۲ [2] ایضاص:۴۶۲ [3] ایضاص:۴۶۲

تفاسیر میں اسرائیلی روایات اور صحابۂ کرام کا موقف

سعید الرحمٰن عبدالمجید، گونڈوی

اسرائیلیات کا مفہوم:

اسرائیلیات کا لفظ اگر چہ بظاہر اس یہودی تہذیب وثقافت کی جانب اشارہ کرتا ہے جو تفسیر قرآن پر اثر انداز ہوئی۔ لہذا اس سے وہ یہودی ونصرانی ثقافت مراد ہے جس نے تفسیر قرآن کو متأثر کیا اس کو اسرائیلیات کا نام تغلیباً دیا گیا ہے۔

یہود ونصاریٰ ایک جداگانہ دینی ثقافت کے علم بردار تھے اور یہ دونوں تہذیبیں بڑی حد تک تفسیر پر اثر انداز ہوئیں یہودی ثقافت کا دارومدار وانحصار تورات پر ہے اور نصاریٰ کی ثقافت کا دارومدار انجیل پر ہے۔

تفسیر میں اسرائیلیات کا آغاز؛ اور صحابۂ کرام کا موقف:

تفسیر میں اسرائیلیات کا آغاز عہد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ہونے لگا تھا جب ایک صحابی قرآن میں مذکور واقعات میں سے کسی واقعہ تک پہونچتا تو طبعاً اس کے جی میں یہ خیال پیدا ہوتا کہ قرآن نے جس بات کو مجمل بیان کیا ہے، اس کی تفصیل معلوم کرنے کے لئے کسی کی جانب رجوع کیا جائے، مگر اہل کتاب کے سوا ان کے سوال کا شافی جواب کوئی شخص نہ دے پاتا جو کہ ابھی نئے نئے شرف با اسلام ہوئے تھے اور اپنے ہمراہ اپنی دینی ثقافت لائے تھے، چنانچہ وہ نومسلم اہل کتاب صحابہ کو اخبار وواقعات کے تفصیلات سے آگاہ کرتے تھے۔

مگر یہ بات ملحوظ رہے کہ صحابۂ کرام ان اہل کتاب سے نہ ہر بات پوچھتے تھے اور نہ ان کی ہر بات کو قبول کرتے تھے، صحابہ کرام اہل کتاب کی بات سن کر توقف سے کام لیا کرتے تھے اور فرمان رسول کی تعمیل میں ان کی تصدیق وتکذیب سے احتراز کرتے تھے۔ جیسا کہ فرمان نبوی ہے ”لا تصدقوا اهل الكتاب ولا تكذبوهم وقولوا آمنا باالله وما انزل إلينا وما انزل اليكم“ (صحیح بخاری) یعنی اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ ان کی تکذیب کرو اور کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو کچھ ہماری طرف نازل کیا گیا ہے اور جو کچھ تم لوگوں کی طرف نازل کیا گیا ہے اس پر ہم ایمان لائے ہیں۔

مزید برآں صحابۂ کرام اہل کتاب سے عقائد واحکام کے بارے میں سوال نہیں کرتے تھے۔ الا یہ کہ قرآن میں مذکور کسی حکم یا مسئلہ کی تائید وتقویت مقصود ہو اور ایسا بھی نہیں ہوتا تھا کہ رسول کریم ﷺ سے ثابت شدہ حقیقت سے انحراف کر کے اہل کتاب سے سوال کریں۔

اسی طرح جو بات عقیدہ وشریعت کے منافی ہو صحابۂ کرام اس میں بھی یہود کی تائید وتوثیق نہیں کرتے تھے اس کے بر خلاف صحابۂ کرام کا یہ عالم تھا کہ جب وہ اہل کتاب سے کوئی سوال کرتے اور وہ غلط جواب دیتے تو اس کو رد کر دیتے اور ان کی غلطی کو ان پر واضح کرتے، جیسا کہ بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:” عن ابی هريرة رضی

الله عنه ان النبی ﷺ ذكر يوم الجمعة۔ فقال (فيه ساعة، لا يوافقها عبد مسلم وهو قائم يصلی، يسأل الله تعالىٰ شيئاً، إلا اعطاه اياه) و اشار بيده يقللها''(رواہ البخاری)

یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن دوران وعظ فرمایا کہ اس میں ایک گھڑی ہے اگر ٹھیک اس گھڑی میں مسلمان بندہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ چیز ضرور عطا کرتا ہے اور آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا کہ وہ گھڑی تھوڑی دیر کے لئے آتی ہے۔

تو اس سلسے میں جب حضرت ابو ہریرہ نے کعب الاحبار سے پوچھا تو انھوں نے جواب دیا کہ یہ گھڑی دوران سال صرف ایک جمعہ میں ہوتی ہے۔ حضرت ابوھریرہ نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ یہ ہر جمعہ میں ہوتی ہے، چنانچہ کعب الاحبار نے جب تورات کا مطالعہ کیا تو حضرت ابو ہریرہ کی تائید کی اور اپنے نظریہ سے رجوع کرلیا۔(تفسیر والمفسر ون ص:۴۱، القسطلانی شرح۲/۱۹۰)

اس بیان سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ صحابۂ کرام اہل کتاب کی ہر بات کو بلا چوں چرا تسلیم نہیں کرتے تھے بلکہ اس کی تحقیق وتفتیش کرتے تھے اور اس کو کتاب وسنت پر پیش کرتے تھے اور اس میں وہ صواب کے طلب گار ہوتے تھے اور اہل کتاب کے غلط اقوال وافکار کو رد کردیا کرتے تھے اور ان کی مخالفت کرتے ہوئے حق وصواب کو ان کے سامنے آشکارا کرتے تھے۔

لیکن اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اہل کتاب سے استفادہ کرنے کا جو دائرہ اور جو حلقہ متعین کیا تھا اس سے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے تجاوز نہیں کیا بلکہ اسی دائرے اور اسی حلقے میں رہ کر کام کیا، جیسا کہ عبداللہ بن عمرو بن العاص سے مروی یہ حدیث ہے کہ اللہ کے رسول نے فرمایا:''بلغوا عنی ولو آية وحدثوا عن بنی اسرائيل ولا حرج، ومن كذب علیَّ متعمداً فليتبوأ مقعدهٗ من النار''(صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب ماذکر عن بنی اسرائیل:۳۴۶۱) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری باتیں لوگوں کو پہنچاؤ، اگرچہ ایک آیت کیوں نہ ہو اور بنی اسرائیل سے جو سنو اسے بھی بیان کرو، اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن جو شخص عمداً مجھ پر جھوٹ باندھے گا تو وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں تلاش کرے۔ اور'' لا تصدقوا أهل الكتاب ولا تكذبوهم وقولوا آمنا بالله وما أنزل إلينا وما أنزل إليكم''(صحیح البخاری، کتاب التفسیر:۴۴۸۵) تم اہل کتاب کی تصدیق نہ کرو اور نہ ہی ان کی تکذیب کرو بلکہ کہو ہم اللہ پر اور جو کتاب ہم پر نازل کی گئی اس پر ایمان لائے ہیں۔

یعنی ان دونوں حدیثوں کے اندر اللہ کے رسول نے بنی اسرائیل سے اخذ کرنے کا جو دائرہ اور قانون متعین کیا اسی کے مطابق صحابۂ کرام نے اسرائیلیات کو لیا اور اس کو روایت کیا، ان دونوں روایتوں کے مابین تطبیق دیتے ہوئے حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابتدا میں ان کی کتابیں پڑھنے اور ان کی روایتوں سے منع فرمایا تھا، لیکن جب

اسلامی احکام اور دینی مسائل وقواعد مستحکم ہوگئے اور اصول دین سے ہر شخص واقف ہوگیا تو آپ نے اجازت دے دی کیوں کہ اب کسی فتنہ میں پڑنے کا اندیشہ باقی نہیں رہا۔(فتح الباری ج۶/ص:۳۸۸)

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جو کہ اس حدیث ''حدثوا عن بنی اسرائیل'' کے راوی ہیں جنگ یرموک میں ان کو دو بوجھ اہل کتاب کی کتابیں دستیاب ہوئی تھیں اور اسی حدیث کی وجہ سے ان کو روایت کرنے لگے تھے۔ (اصول التفسیر لابن تیمیہ ص:۹۲)

اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ان میں مندرج ہر بات کو نقل و روایت کرتے تھے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس بات کی نقل و روایت جائز ہوتی اسی کو وہ نقل کرتے اور روایت کرتے تھے۔

اسی طرح صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین لایعنی، اور لہو لعب کی باتوں کے بارے میں بھی اہل کتاب سے نہیں پوچھتے تھے، مثلاً:

(۱) اصحاب کہف کا کتا کیسا تھا؟

(۲) گائے کے جسم کا وہ کون سا ٹکڑا ہے جو اسرائیلی مقتول کے جسم کے ساتھ لگایا گیا تھا؟

(۳) خضر نے جس لڑکے کو قتل کیا اس کا نام کیا ہے؟

اور اس قسم کے دیگر لایعنی سوالات، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ اس قسم کے سوالات بے کار تکلف سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتے۔ صحابۂ کرام اس کو حقارت و مذمت کی نگاہ سے دیکھتے اور اس کو اضاعت وقت پر محمول کرتے تھے۔ (الفوز الکبیر ص:۷۰-۷۱)

یہ ہے صحابۂ کرام کے اہل کتاب کی جانب رجوع کرنے اور ان سے اخذ و نقل کا دائرہ کار۔ لیکن جب تابعین کا دور آیا تو اہل کتاب سے اخذ و نقل میں وسعت پیدا ہوئی اور تفسیر میں اسرائیلی روایات کی بھرمار ہوگئی اس لئے کہ عہد تابعین میں بکثرت اہل کتاب جوق در جوق اسلام لائے، قرآن میں یہود و نصاریٰ کے جن واقعات کی جانب صرف اشارہ کیا گیا تھا مسلمانوں میں ان کی تفصیلات سننے کا ذوق وشوق پیدا ہوا۔ چنانچہ اس عہد میں ایسے مفسرین پیدا ہوئے جنھوں نے تفسیر میں پیدا شدہ اس خلاء کو پُر کرنا چاہا اور اس ضمن میں یہود و نصاریٰ سے مدد لی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تفسیر قرآن متضاد و متناقص قصہ کہانیوں کا پلندہ بن گئی۔ حق بات یہ ہے کہ اسرائیلی روایات کو اپنی تفسیر میں نقل کرنے والے مفسرین نے قرآن کی شرح و توضیح کرنے والوں کی راہ میں کانٹے بچھا دیئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان اسرائیلیات کے ساتھ بکثرت احادیث صحیحہ خلط ملط ہوگئیں اور بعد میں آنے والے مفسرین احادیث کی تحقیق پر مجبور ہوگئے اور بغیر تحقیق کے کوئی حدیث اپنی تفسیر میں نقل کرنا ان مفسرین کے لئے مشکل ہوگیا۔(التفسیر والمفسرون ص:۴۲)

☆☆☆

عالم اسلام

ظل الرحمٰن سلفی/ جامعہ سلفیہ بنارس

لفظ مکہ کے تلفظ سے متعلق حکومت سعودیہ کا اعلان

سعودی حکومت کی وزرات اطلاعات ونشریات، اور وزرات خارجہ ورابطہ عالم اسلامی نے اپنے اپنے ذرائع ابلاغ سے یہ اعلان کیا ہے کہ اب لفظ مکہ کی اسپلنگ (تلفظ) بلاتفریق وبغیر ترمیم واضافہ کے انگریزی اور دنیا کی دیگر تمام زبانوں میں ''MAKKAH'' لکھا جائے۔

اس مناسبت سے یہ تاریخی معلومات بھی کہ اب سے تقریباً 65 سال قبل جنیوا میں جو عالمی جغرافیائی کانفرنس ہوئی تھی۔ اس میں بھی لفظ مکہ کی یہی اسپلنگ (تلفظ) قرار دیا گیا تھا۔ (بحوالہ: حج میگزین ممبئی، جولائی/ ۲۰۱۰ء)

مکہ مکرمہ میں دنیا کی سب سے بڑی گھڑی

مکہ مکرمہ (ایجنسی) مکۃ المکرّمہ کے ایک عالیشان علاقے کی اونچی عمارت پر جو رہائشی اور کمرشیل کامپلیکس کا حصہ ہے، دنیا کی سب سے بڑی گھڑی نصب کی گئی ہے، جو ماہ رمضان المبارک میں کام کرنا شروع کردے گی۔ اس ٹاور میں ہوٹل، دفاتر اور رہائشی فلیٹس واقع ہیں۔ اس گھڑی کی اونچائی 42 / میٹر ہے۔ یہ دور دراز علاقوں سے بھی صاف طور پر دکھائی دے گی۔ (روزنامہ راشٹریہ سہارا لکھنؤ ۱۸/ جولائی ۲۰۱۰ء ص:۲)

برطانیہ میں امام حرم کا خطاب

بولٹن (برطانیہ) امام کعبہ شیخ عبدالرحمٰن سدیس نے کہا کہ یورپ میں جو لوگ اسلام قبول کرتے ہیں، ہمیں چاہئے کہ ہم ان سے محبت وشفقت کے ساتھ پیش آئیں۔ انہوں نے کہا کہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ یورپ کے لوگ سچائی اور حق کے متلاشی ہیں، اور اپنی موجودہ مادی زندگی اور لادین معاشروں سے مطمئن نہیں ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ بھی محسوس کرنا چاہئے کہ یہ لوگ تحقیق کے ذریعہ کسی بھی دین، نظریہ، یا سوچ کے عملی مظاہرے کو دیکھتے ہیں۔ اس لئے ہمیں یورپ میں عملی طور پر ایک کامل اور باعمل مسلمان بن کر دعوت وارشاد کے کام کو آگے بڑھانا چاہئے۔

برطانوی وزیر برائے ماحولیات نے برقع کی حمایت کرتے ہوئے اسے خواتین کا حق قرار دیا۔

لندن ۲۰/ جولائی: برطانیہ کی وزیر ماحولیات کیرولین اسپیل مین نے برقع کی حمایت کرتے ہوئے کہا کہ برقعہ پہننا خواتین کا حق ہے، اور یہ کہ یہ خواتین کی شخصیت کے لئے نقصان دہ نہیں ہے، بلکہ اسے جلا بخشتا ہے۔

انہوں نے مزید کہا کہ میں بطور اس ملک میں رہنے والی خاتون نہیں چاہوں گی کہ مجھے بتایا جائے کہ کیا پہنوں اور کیا نہیں پہنوں۔ یہ ایک آزاد ملک ہے جہاں ہم عوامی آزادی کو اہمیت دیتے ہیں۔ ایک خاتون کے لئے یہ فخر کی بات ہوتی ہے کہ اسے اتنی آزادی حاصل ہو کہ وہ صبح اٹھ کر اس بات کا فیصلہ کرسکے کہ ہو کیا پہنے اور کیا نہیں۔ ان کا یہ بیان وزیر برائے امیگریشن ڈامیان گرین کے بعد آیا ہے۔ جس میں انہوں نے برقعہ پر پابندی عائد کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ (روزنامہ آواز ملک بنارس، ۲۱/ جولائی ۲۰۱۰ء ص:۲)

اخبار جامعہ

ندوۃ الطلبہ، جامعہ سلفیہ کا انتخاب جدید وافتتاحی پروگرام

۲/ شعبان ۱۴۳۱ھ مطابق ۱۵/ جولائی ۲۰۱۰ء بروز جمعرات فضیلۃ الشیخ مولانا نعیم الدین مدنی، شیخ الجامعہ السلفیہ بنارس اور دیگر اساتذۂ کرام کی موجودگی میں ندوۃ الطلبہ کا انتخاب جدید عمل میں آیا۔ ذیل میں اس سال کے نو منتخبین اوران کے مناصب پیش ہیں۔

ثروان نعیم اختر	صدر	عبدالحمید عبدالستار	نائب صدر
عبیداللہ الباقی عبدالسلام	ناظم	مستفیض الرحمٰن محمد ریحان	نائب ناظم
محمد اسلم محمد اکبر علی	خازن	اشفاق عالم عبدالرحمٰن	محاسب
حسن البناء عبدالغفور	مدیر ''المنار''	عبدالفتاح عبدالودو	نائب مدیر ''المنار''
خیر الاسلام بحر الحق	امین الجنۃ الثقافۃ	عبدالرحمٰن لطف الرحمٰن	نائب امین الجنۃ الثقافۃ

اس کے علاوہ حفلۃ الخطابہ کے تقریری انجمن کے لئے تین طلبہ شعبہ عربی کے لئے حمید حسن فضل حق، عبدالقادر شبیر احمد، محمد اشرف شاکر کو امین اور تین طلبہ ان کے نائب منتخب ہوئے۔ اسی طرح شعبہ اردو کے لئے بھی تین طلبہ عبدالباری شفیق احمد، ضیاء الرحمٰن انوار احمد، طاہر جمال تنویر احمد بحیثیت امین الخطابہ مقرر ہوئے اوران کے بھی نائبین میں تین طلبہ کی تقرری ہوئی۔

علاوہ ازیں امین دارالکتب محمد زبیر مطیع الرحمٰن اوران کے نائب مظہر عالم سکندر علی مع ۵/ ارکان کے مقرر ہوئے۔ امین دارالاخبار کی ذمہ داری کے لئے مضمار الاسلام ابوبکر صدیق اوراس کی نیابت شبیر احمد کو سونپی گئی، اوران کے ساتھ ۶/ ارکان کا انتخاب عمل میں آیا۔ امین البرید کی ذمہ داری ثناء اللہ غوری کے سپرد ہوئی۔

ندوۃ الطلبہ کے زیر اہتمام افتتاحی انجمن کا انعقاد

بتاریخ ۸/ شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ مطابق ۲۲/ جولائی ۲۰۱۰ء بروز جمعرات جامعہ سلفیہ کے لکچر ہال میں انجمن ندوۃ الطلبہ کے سال نو کا افتتاحی پروگرام عمل میں آیا۔ فضیلۃ الشیخ مولانا عبدالسلام مدنی حفظہ اللہ نے اس پروگرام کی صدارت فرمائی۔

پروگرام کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا، اس کے بعد منتخب طلبہ نے عربی، اردو، انگریزی اور ہندی میں تقریر کی۔

اخیر میں مولانا عبدالسلام صاحب مدنی حفظہ اللہ کے صدارتی کلمات کے بعد پروگرام کے اختتام کا اعلان کیا گیا۔

داخلہ کی کاروائی

جامعہ سلفیہ، بنارس میں نئے تعلیمی سال ۲۰۱۱-۲۰۱۰ء کے لئے داخلہ کی کارروائی ۲۹/ جون ۲۰۱۰ء تا ۴/ جولائی ۲۰۱۰ء بروز اتوار مکمل ہوئی، درخواست دہندگان کے وقت مقرر پر شفوی وتحریری امتحانات ہوئے، امتحان میں کامیابی کی بنیاد پر طلبہ کا داخلہ درج ذیل جماعتوں میں لیا گیا۔

متوسطہ اولی	۲۹
ثانویہ اولی	۲
عالم اول	۱۱
فضیلت اول	۱۰
تجوید	۶
حفظ	۲۵
ٹوٹل:	۸۳
شاخ کے طلبہ کی تعداد	۲۲

مہمانان کرام کی آمد:

جامعہ سلفیہ بنارس میں مہمانان گرامی قدر ڈاکٹر عبدالباری فتح اللہ مدنی (جامعۃ الامام ریاض)، مولانا حافظ محمد سلیمان صاحب میرٹھی، مولانا عبدالسلام صاحب سلفی (ممبئی)، مولانا ابوالہاشم صاحب عالیاوی تشریف لائے، ڈاکٹر شیخ عبدالباری صاحب کے جامعہ سلفیہ میں کئی دروس ہوئے اور اس دوران مسجد اہل حدیث طیب شاہ میں بھی آپ نے خطاب عام فرمایا، زادہ اللہ علما وفضلا۔ آپ کے دروس سے طلبہ وعوام مستفید ہوئی اوران دروس کے بعد آپ سے حاضرین نے سوالات بھی کئے۔

☆☆☆

باب الفتاوی

سوال: کیا روزہ کے لئے نیت کرنا ضروری ہے؟

جواب: صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ چونکہ تمام اعمال کا دارو مدار نیت پر ہے اور نیت کے بغیر کوئی عمل قابل قبول نہیں۔ مثلاً روزہ کی نیت نہ کی گئی اور روزہ جیسی پابندیاں اپنے اوپر عائد کرلیں تو روزہ نہیں ہوگا بلکہ فاقہ ہوگا۔ لیکن یہ یاد رہے کہ نیت کے لئے زبان سے تلفظ کی ضرورت نہیں، یہ دل کا فعل ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت حفصہ بنت عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''من لم یجمع الصیام قبل الفجر فلا صیام له''(ابو داؤد کتاب الصوم (۲۴۵۴) ترمذی کتاب الصوم (۷۳۰) نسائی کتاب الصیام (۲۳۳۴) یعنی جس نے فجر سے پہلے پہلے روزے کی نیت نہ کی اس کا روزہ نہیں ہے۔

سوال: سحری کا افضل وقت کون سا ہے اور سحری کس چیز سے کیا جائے واضح فرمائیں؟

جواب: سحری کھانے میں تاخیر کرنا افضل ہے۔ سیدنا حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''إنا معشر الا نبیاء امرنا ان نؤخر سحورنا و نعجل فطرنا و ان نمسك یمیننا علی شمائلنا فی صلاتنا '' (موارد الظمآن (۸۸۵) طبرانی کبیر (۱۱/ ۱۹۹) (ح:۱۱۴۸۵) یعنی ہم انبیاء کی جماعت کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم اپنی سحری میں تاخیر کریں اور افطاری میں جلدی کریں اور نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھیں۔ (اس روایت کی سند صحیح ہے اور اس کے کئی شواہد بھی ہیں)۔

تاخیر سے کھانے کا مطلب یہ ہے کہ صبح صادق ہونے سے پہلے صبح کاذب کے آخری حصہ میں کھایا جائے۔ سیدنا حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں ''تسحرنا مع رسول الله ﷺ ثم قمنا إلی الصلاۃ، قال: کم کان قدر ذلك؟ قال: قدر خمسین آیة'' یعنی ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سحری کھائی، پھر آپ نماز فجر کے لئے کھڑے اور دونوں کے درمیان پچاس آیت کے پڑھنے کے برابر فاصلہ تھا۔

اور سحری کسی بھی حلال غذا سے کیا جاسکتا ہے لیکن کھجور سے سحری کرنا افضل ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نعم سحور المومن التمر'' (سنن ابی داؤد، کتاب الصیام (۲۳۴۵) یعنی مومن کی بہترین سحری کھجور ہے۔

سوال: کن چیزوں سے افطار کرنا افضل ہے؟ اور افطاری کا افضل وقت کون سا ہے؟

جواب: تازہ کھجوروں سے افطاری کرنا افضل ہے اگر تازہ کھجوریں میسر نہ ہوں تو پھر خشک کھجوروں کے ذریعہ سے افطار کیا جائے اور اگر یہ بھی نہ مل سکیں تو پھر پانی ہی سے افطار کریں۔ ان طریقوں سے افطار کرنا معدہ اور صحت کے لئے بہت فائدہ مند ہوگا اور یہ خیر و برکت کا ذریعہ بھی ہے، اور آپ ﷺ کا اسی پر عمل بھی تھا۔ چنانچہ سیدنا سلمان بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' إذا افطر احدکم فلیفطر علی تمر فإنه برکة فإن لم یجد فلیفطر علی ماء فإنه طهور'' (جامع ترمذی، کتاب الزکاۃ (۶۵۸) ابوداؤد (۲۳۵۵) ابن ماجه (۱۶۹۹) یعنی جب تم میں سے کوئی روزہ کھولے تو وہ کھجور سے کھولے کیونکہ اس میں برکت ہے اگر کھجور نہ پائے تو پانی سے روزہ کھولے اس لئے کہ وہ پاک کرنے والا ہے۔

اسی طرح سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ '' کان رسول الله ﷺ یفطر علی رطبات قبل ان یصلی فإن لم تکن رطبات فعلی تمرات فإن لم تکن حسا حسوات من ماء'' (ابو داؤد کتاب الصیام، ح:۲۳۵۶، ترمذی، ح:۶۹۶) یعنی رسول اللہ ﷺ نماز پڑھنے سے پہلے چند تازہ کھجوریں کھا کر روزہ افطار کرتے تھے، اگر تازہ کھجوریں دستیاب نہ ہوتیں تو خشک کھجوریں کھا کر افطار کرتے۔ اگر وہ بھی میسر نہ ہوتیں تو پانی کے چند گھونٹ ہی پی لیتے۔

غروب آفتاب ہوتے ہی فوراً افطار کرنا چاہئے، اللہ کے رسول ﷺ کی یہی تعلیم ہے۔ چنانچہ حضرت سہل سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں: '' ان رسول الله ﷺ قال لا یزال الناس بخیر ما عجلوا الفطر'' (صحیح بخاری، کتاب الصوم، ح: ۱۹۵۷، مسلم، (۱۰۹۸) یعنی آپ ﷺ نے فرمایا کہ: '' جب تک لوگ روزہ افطار کرنے میں جلدی کرتے رہیں گے بھلائی سے رہیں۔

دوسری روایت میں آپ ﷺ نے فرماتے ہیں: '' لا یزال الدین ظاهر ا ما عجل الناس الفطر لأن الیهود والنصاری

یوخرون'' (ابوداؤد ح: ۲۳۵۳) یعنی ہمیشہ غالب رہے گا جب تک لوگ افطاری میں جلدی کرتے رہیں گے۔ کیونکہ یہود ونصاریٰ افطاری کرنے میں تاخیر سے کام لیتے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احتیاط کے نام سے دیر کرکے افطار کرنا یہود ونصاریٰ کا اتباع ہے، اور رسول ﷺ کی تعلیمات کی خلاف ورزی ہے۔

سوال: صدقۂ فطر کن چیزوں سے نکالا جائے؟

جواب: صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں عیدالفطر کے دن ایک صاع کھانا نکالا کرتے تھے اور ہمارا کھانا جو، کشمش، پنیر اور کھجور ہوا کرتا تھا۔ اس حدیث کے لفظ ''من طعام'' میں علت کی طرف اشارہ ہے اس سے مراد وہ غلہ ہے جو کھایا جاتا ہے خواہ حدیث میں منصوص علیہ ہو یا نہ ہو۔ یعنی منصوص علیہ اشیاء جیسے کھجور ہو یا جو یا گیہوں ہوں یا مکئی یا ان چیزوں کے علاوہ اور کوئی غلہ ہو اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں کسی خاص قسم کے غلے کی شرط نہیں رکھی ہے اور اس لئے بھی کہ اس سے غرباء ومساکین کے ساتھ ہمدردی مقصود ہوتی ہے۔

(ان تمام مسائل کی تفصیلی معلومات کے لئے صحیحین کے علاوہ دیگر کتب حدیث، فقہ الحدیث، احکام ومسائل، فتاویٰ رمضان، استقبال رمضان، المحلی لابن حزم، نیل الاوطار، فقہ السنۃ، منہاج المسلم، صدقۂ فطر اور اس کے مصارف شیخ ابوعبدالعزیز محمد یوسف محمد عمر وغیرہ دیکھنا فائدہ مند ہوگا)

سوال: صدقۃ الفطر میں طعام کے بجائے قیمت (روپیہ، پیسہ) دینا جائز ہے؟

جواب: صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ بلا عذر شرعی صدقۂ فطر میں قیمت ادا کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے طعام فرض کیا ہے نہ کہ اس کی قیمت۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ'' فرض رسول الله ﷺ زكاة الفطر صاعا من تمر....''(بخاری (۱۵۰۳) كتاب الزكاة: باب فرض صدقة الفطر، مسلم (۹۸٤) ابوداؤد (۱٦۱۱) یعنی رسول اللہ ﷺ نے ایک صاع کھجور سے ...صدقۃ الفطر فرض کیا۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ'' كنا نخرج زكاة الفطر صاعاً من طعام....'' (بخاری (۱۵۰٦،۱۵۰۸) كتاب الزكاة: باب صدقة الفطر صاع من طعام ، مسلم (۹۸۵) ابوداؤد(۱٦۱٦) حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں:'' فرض رسول الله ﷺ زكاة الفطر طهرة للصائم من اللغو والرفث و طعمة للمساكين ''یعنی رسول اللہ ﷺ نے صدقۃ الفطر روزہ دار کی لغویات اور فحش گوئی سے روزے کو پاک کرنے کے لئے اور مسکینوں کو کھانا کھلانے کے لئے فرض کیا ہے۔ (سنن ابی داؤد:۱۶۰۹) حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہی سے مرفوعاً ایک روایت یوں مروی ہے:'' ادوا صاعاً من طعام "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ ''طعام'' سے ایک صاع (صدقۂ فطر) ادا کرو۔ (سنن بيهقی ٤/١٦٧، حلية الاولياء لا بی نعيم (۳/۱۲، ٦/۲٦۲)

ان مذکور حدیثوں کو بغور پڑھنے سے بخوبی یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقۂ فطر میں ''صاع'' (اڑھائی کیلو) اور ''طعام'' (خوردنی اشیاء) دینے کو فرض قرار دیا ہے، اور ''قیمت'' (روپیہ پیسہ) خوردنی اشیاء میں سے ہے اور نہ ہی بذریعہ ''صاع'' ناپا جاتا ہے، لہٰذا رسول اللہ ﷺ کے فرض کردہ ''صاع'' اور ''طعام'' کے بجائے ''قیمت'' ادا کرنا کیونکر جائز ہوسکتا ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ قیمت دینے کا ثبوت نبی اکرم ﷺ سے ملتا ہے اور نہ صحابہ کرامؓ سے، لہٰذا ایک ایسی چیز جو عہد نبوی اور عہد صحابہ میں موجود نہ تھی وہ ہمارے لئے آج کیسے دین قرار پاسکتی ہے؟ یقیناً حدیث'' من احدث فی امرنا هذا ماليس منه فهو رد ''(متفق علیہ) اس پر ضرور صادق آتی ہے، اسی لئے بعض علماء نے قیمت دینے کو صراحت کے ساتھ بدعت قرار دیا ہے۔ دیکھئے:'' السنن والمبتدعات فی العبادات " ص:۲۰٦)

تیسری بات یہ ہے کہ صدقۂ فطر ادا کرنا ایک عبادت ہے، جس کی شکل وصورت اور حدود شریعت نے مقرر کردیا ہے، فطرہ نکالنے کا وقت، اس کی جگہ اس کی مقدار، اس کے حقدار، اور اس کی نوعیت یہ سب متعین ہیں، لہٰذا صدقۂ فطر ادا کرتے وقت ان شرعی امور واعتبارات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، ورنہ یہ عبادت صحیح ہوگی اور نہ ذمہ سے سبکدوش کرنے والی ہوگی۔ (دیکھئے المنتقی من فتاویٰ الشيخ صالح فوزان ۳/۱۱۳-۱۱٦) اس لئے جب قیمت کا ثبوت شریعت سے نہیں ملتا ہے تو اس کے ذریعہ سے صدقۂ فطر جیسی عبادت کیونکر درست ہوسکتی ہے؟ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ''مجموع فتاویٰ'' (۴۶/۱۳) میں لکھتے ہیں کہ ''صدقۂ فطر کی حیثیت کفارۂ یمین، کفارۂ ظہار، کفارۂ قتل، کفارۂ جماع فی رمضان اور کفارۂ حج کی ہے، کیونکہ اس (کے واجب ہونے) کا سبب بدن ہے نہ کہ مال.....اس لئے اللہ تعالیٰ نے ''طعام'' کی شکل میں (ادا کرنے کو) واجب قرار دیا

ہے، جس طرح کہ کفارہ کو ''طعام'' کی شکل میں ضروری قرار دیا ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ قیمت ادا کرنے میں ایک خرابی یہ لازم آتی ہے کہ لوگ اس بارے میں بہت اختلاف کے شکار ہو جاتے ہیں، چنانچہ کچھ دس روپے نکالتے ہیں تو کچھ پندرہ اور بیس روپے۔ اسی طرح کبھی دھان کی قیمت لگاتے ہیں تو کبھی چاول و گیہوں کی، اور قیمت مقرر کرنے میں بھی کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ شریعت نے ایک حد و دو مقدار متعین کر دی ہے۔ دنیا کا کوئی بھی مسلمان کہیں بھی رہے، اسی مقدار میں صدقۃ الفطر ادا کرے گا اور اس میں یقیناً کوئی خاص حکمت ہوگی، جسے اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

لہٰذا اس متعین مقدار سے ایک غیر متعین رقم کی طرف عدول کرنا یقیناً روح شریعت کے منافی ہے، جس سے اجتناب ضروری ہے۔

انہی دلائل و وجوہ کی بنا پر ائمہ ثلاثہ: امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور اکثر علماء وفقہاء نے قیمت کو ناجائز کہا ہے۔ (دیکھئے: شرح صحیح مسلم للنووی ۷/۶۳، المجموع للنووی ۶/۱۲۳، المغنی لابن قدامہ، بدائع الصنائع ۲/۲۰۵) امام ابن حزمؒ ''المحلی'' (۶/۱۸۸) میں لکھتے ہیں: ''.... لا تجزئي قيمة اصلا'' صدقہ فطر میں قیمت کفایت کرے ہی نہیں۔

علامہ شیخ ابن بازؒ اپنے ایک طویل فتوی میں فرماتے ہیں: ''..... زکوۃ الفطر کے سلسلہ میں محمد ﷺ کا یہی طریقہ رہا ہے، اور یہ معلوم ہے کہ صدقۂ فطر مشروع قرار دیئے جانے اور نکالنے کے وقت مسلمانوں بالخصوص مدینہ منورہ میں دینار و درہم دونوں پائے جاتے تھے، اس وقت انہی دونوں کے سکے چلتے تھے، مگر اس کے باوجود آپ ﷺ نے صدقۂ فطر کے باب میں ان دونوں کا ذکر تک نہیں فرمایا، اگر ان میں سے کسی کے ذریعہ صدقۂ فطر ادا کرنا کفایت کرتا تو آپ ﷺ اس کی ضرور وضاحت فرماتے اس لئے کہ '' لا يجوز تأخير البيان عن وقت الحاجة '' یعنی بیان و وضاحت کو ضرورت و حاجت کے وقت سے مؤخر کرنا جائز نہیں ہے۔ پس اگر یہ بیان واقع ہوا ہوتا تو صحابہ کرام اسے ضرور عملی جامہ پہناتے۔ اور ہمیں نہیں معلوم کہ کسی صحابی نے صدقۂ فطر نقد کی صورت میں ادا کیا ہو، حالانکہ یہی لوگ آپ ﷺ کی سنت کے سب سے زیادہ جانکار اور اس پر عمل کرنے کے حریص تھے، اگر ان سے اس بابت کوئی چیز واقع ہوتی تو ضرور منقول ہوتی، جس طرح کہ شرعی امور سے متعلق ان کے دیگر اقوال و اعمال منقول ہیں... إلى ...... ہماری اس تقریر سے حق کے متلاشی کے لئے واضح ہو جانا چاہئے کہ زکاۃ الفطر میں روپے پیسے نکالنا جائز نہیں ہے۔ (مجموع فتاوی ابن باز ۳/۹۴-۹۶)

اور اسی طرح کی بات شیخ ابن عثیمینؒ نے بھی فرمایا ہے۔ (مختصر مجالس رمضان ص: ۱۸۹ اردو مترجم)

شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ مبارکپوریؒ ''مرعاۃ المفاتیح'' (۶/۲۰۳) میں لکھتے ہیں: ''میرے نزدیک راجح قول یہی ہے کہ صدقۂ فطر اور زکوۃ المال میں قیمت جائز نہیں ہے۔ بلکہ نبی کریم ﷺ نے جسے متعین و نامزد کر دیا ہے اسی سے نکالنا ضروری ہے۔ اِلا یہ کہ کوئی عذر ہو۔ علامہ شوکانی ''السیل الجرار'' میں مصنف ''حدائق الازہار'' کے قول ''انها تجزئي القيمة للعذر'' کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''میں کہتا ہوں یہ صحیح ہے کہ کیونکہ خوردنی اشیاء میں سے فطرانہ کی مقدار کی تعیین کے سلسلہ میں وارد شدہ حدیثوں کا ظاہر ہی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جسے متعین کر دیا ہے وہی نکالنا لازم ہے، البتہ جب اس ''عین'' (متعین چیز) کے نکالنے سے کوئی رکاوٹ و مانع پیش آجائے تو ایسی صورت میں قیمت کفایت کرے گی۔ کیونکہ جس پر فطرہ واجب ہوا ہے اس کی طاقت میں قیمت ہی نکالنا ممکن ہے اور جو چیز اس کی زیر طاقت نہ ہو اس کا نکالنا اس پر واجب نہیں ہے''۔

تمام تفصیلات سے معلوم ہوا کہ بلا عذر شرعی کے صدقۃ الفطر میں قیمت کا نکالنا درست نہیں ہے۔ شرعی عذر کا مطلب یہ ہے کہ جہاں طعام کی قلت ہو یا دستیابی بڑی مشکل ہو، اور بمشکل کھانے بھر غلے ملتے ہیں، جہاں ایسی پریشانی و مجبوری ہو وہاں بصورت مجبوری صدقۃ الفطر میں قیمت کا دینا جائز ہے۔

اس تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ صدقۃ الفطر میں بلا عذر شرعی قیمت دینا جائز نہیں ہے، لہٰذا ہمارے ہندوستان کے بعض علاقے خصوصاً مغربی بنگال میں بلا کسی مجبوری کے قیمت دینے کا جو رواج پا گیا ہے یہ غلط و غیر شرعی ہے، اس کی بنا کسی صحیح حدیث پر نہیں ہے، بلکہ اس کی وجہ ہمارے خیال میں یہاں کے اکثر علماء کا حنفی مدرسوں کے فارغ التحصیل اور ان کے مسلک سے متاثر ہونا ہے۔

هذا ما عندي والله اعلم بالصواب
ابو عفان نور الہدی عین الحق سلفی مالدہی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس